سہ ماہی

پیشوا انٹرنیشنل

لندن

مذہبی، سیاسی، معاشرتی، ادبی، طبی اور سائنسی سرگرمیوں کا ترجمان

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ آٹھ برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد، بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ

جلد 8۔شمارہ 3۔جولائی تا ستمبر 2021ء۔زیرادارت: رانا محمد حسن خاں

2 London Road Morden Surrey SM4 5BQ U.K
E.mail. peshwaltd@gmail.com

RH DREAM EVENTS LIMITED
TEL: 020 3674 7909
MOB: 077 9299 8973
Venue Hire
Decoration
Catering
Cutlery & Crockery
Service Staff
BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER
Package Price
Event Management
Cinematic Videography
Photography
DJ-Dhoolchi
Chauffeur Service
2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)
Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔ مشعل راہ 2
اداریہ ”نحوستیں اور پھٹکاریں کیوں؟“ 3
”آ ذرا دِل کو مرے تُو طور کر دے“! 4
ابولَہب، نام نہاد مولوی اور عالمی طاقتیں! 5
تماشا گر بھی تماشا بن جائیں گے! 7
کالج کے ولی سٹوڈنٹ سے بہتر ہے؟ 8
طالبان نے بغیر خون خرابے کے کابل فتح کر لیا! 9
اَلَست بِرَبِّکُم۔ قَالُوا بَلٰی۔ 11
”فلاحی کام“ (افسانہ) 13
”کیا کائنات اتفاقیہ طور پر وجود میں آئی؟“ 15
مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار (پاکستان) (قسط 16) 19
آنحضرت ﷺ کی عورتوں کے لیے رحمت و شفقت 23
عمران خان بتائیں اب کیسے پار اترنا ہے؟ 27
”حادثہ ایک دم نہیں ہوتا“ 28
گوجرہ میں پھانسی کا آنکھوں دیکھا حال! 29
ختم نبوت سے انکار، قرآن سے تصادم ہے۔ 30
ایجادات جن کی ایجاد اتفاقیہ ہوئی! 31
ہومیو پیتھک نسخہ جات (خوف کی وجہ سے ہونے والی تکالیف کا ہومیو علاج) 35
شمائل نبوی ﷺ (قسط 14) 37
آوارگانِ دشتِ خار (قسط 25) خدا اس کو موت دے!۔جاہلیت اور شر کے دور میں مسلمان کیا کریں؟ ضیاء الحق کی نماز مولانا مفتی محمود کی نظر میں۔عقیدہ انتظارِ مسیح و مہدی۔مشرکانہ اور کافرانہ خیالات۔ 40
”فریب“ (افسانہ) 44
شعر و شاعری۔شکیل ناصر۔بشریٰ حفیظ صاحبہ۔مبارک صدیقی۔منیر باجوہ۔کیف مرادآبادی۔اطہر راز۔حسرت موہانی۔راجہ محمد یوسف خان۔بشارت سکھی صاحبہ۔نیلم رباب صاحبہ۔گوپال متل۔ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔حافظ عطاء کریم شاد۔شمشاد احمد چودھری۔رانا محمد حسن خاں 46
ملاؤں کی کانفرنس 51

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 2 پاؤنڈ ... سالانہ ممبر شپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈ

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ۔مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ۔سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ۔وَّ امۡرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ۔فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۔ (سورۃ اللہب)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔اُس کے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا۔وہ ضرور ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔اور اُس کی عورت بھی،اس حال میں کہ وہ بہت ایندھن اٹھائے ہوئے ہوگی۔اس کی گردن میں کھجور کی چھال کا مضبوطی سے بٹا ہوا رسّہ ہوگا۔

حدیث النبی ﷺ: حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا۔اس خوف سے کہ کہیں میری زندگی میں ہی شر نہ پیدا ہو جائے۔میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے دور میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے نوازا تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا زمانہ ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر کا زمانہ آئے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں لیکن اس خیر میں کمزوری ہوگی۔میں نے پوچھا کہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے،ان کی بعض باتیں اچھی ہوں گی لیکن بعض میں تم برائی دیکھو گے۔میں نے پوچھا کیا پھر دورِ خیر کے بعد دورِ شر آئے گا؟ فرمایا کہ ہاں جہنم کی طرف سے بلانے والے دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے،جو ان کی بات مان لے گا وہ اس میں انہیں جھٹک دیں گے۔میں نے کہا: یا رسول اللہ! ان کی کچھ صفت بیان کیجئے۔فرمایا کہ وہ ہمارے ہی جیسے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔میں نے پوچھا: پھر اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو آپ مجھے ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنا۔میں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو؟ فرمایا کہ پھر ان تمام لوگوں سے الگ ہو کر خواہ تمہیں جنگل میں جا کر درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہاری موت آجائے۔

(حدیث نمبر: 7084 کتاب الفتن صحیح البخاری)

مشعل راہ: ایک مستجاب الدعوات فقیر بغداد میں رونما ہوا حجاج ابن یوسف کو لوگوں نے بتایا۔حجاج نے اس کو بلوایا اور کہا "میرے لیے دعائے خیر کر دیجیے"۔اس نے دعا کی "خدا اس کو موت دے"۔حجاج بولا "خدا کے لیے یہ کیا دعا ہے؟" اس فقیر نے کہا: "یہی دعا تیرے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔" (گلستان از شیخ سعدی صفحہ ۴۳)

اداریہ

’’نحوستیں اور پھٹکاریں کیوں؟‘‘

محمود خان اچکزئی نے کہہ رکھا ہے کہ ’’وطن میں مسلمان بہت ہیں مگر اسلام خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا‘‘۔ جس قدر وطن عزیز میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عسکری مقاصد کے لیے مذہبی کارڈ استعمال کیا جاتا ہے اس قدر دنیا میں اس کا استعمال کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وطن عزیز میں حکومتوں کا بننا اور بگڑنا بھی اسی مذہبی کارڈ کا مرہون منت ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے سے مذہبی کارڈ کے استعمال میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جتنا تیزی سے مذہب کا استعمال بڑھ رہا ہے اتنی ہی تیزی سے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شیخ رشید صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں کہاں کوئی پوچھتا تھا ختم نبوت کا نعرہ لگایا اور لوگوں نے ووٹوں کے ڈھیر لگا دیے۔ اگر عمران خان اور ان کے اتحادی اسلام، اسلام کرنے کی بجائے اسلامی تعلیمات کے مطابق ملک چلاتے تو اسلام کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا۔ اسلامی تعلیمات ہیں کیا؟ ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ دھیان دیں بھی کیسے، ووٹوں میں اضافہ کے لیے پنجاب اور سندھ کے دفاتر میں مقدس آیات و احادیث کو سنہری الفاظ میں لکھا جا رہا ہے۔ ان مقدس آیات و احادیث کا تعلق بھی ختم نبوت سے ہے، تکبر، جھوٹ، منافقت، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اقربا پروری، سفارش، غیبت، چغلی، حسد، چوری، رشوت، دھوکہ دہی، زنا کاری، لونڈے بازی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، گندگی، بدنظری، کرپشن وغیرہ کے متعلق نہیں ہے۔ انسانوں، جانوروں، مردوں اور رستوں کے حقوق کا ذکر تو شاید ہوتا ہو مگر عمل ناپید ہے۔ موجودہ حکومت جس قدر ریاست مدینہ کی بات کرتی ہے اس سے دگنی رفتار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان، ریاست مدینہ کے تصور سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف قول و فعل کا تضاد ہے۔ اور اس قول و فعل کے تضاد کو عرف عام میں منافقت کہتے ہیں۔ اور سلیم صافی صاحب کہہ چکے ہیں کہ پاکستانی قوم سو فیصد منافق ہے۔ جب قوم سو فیصد منافق نہ تھی تب مولانا مودودی صاحب نے کہا تھا کہ ’’ یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے اس کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے۔‘‘ (رسالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ 15 / 16)

سلیم صافی اور مولانا مودودی کے بیانات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ساری قوم منافقت کی دلدل میں پھنس چکی ہے اور جو قوم منافق ہو اس کا سردار بھی منافق ہی ہوتا ہے۔ جن علماء کو خوش رکھنے کے لیے حکومت غیر اسلامی اور غیر اخلاقی اقدامات کر رہی ہے، ان کی حالت منافقت کی حد سے بھی گزر چکی ہے۔ اگر دیوبندی حنفی عالم دین مولانا الیاس گھمن کہتا ہے کہ ’’مدرسے کا فاسق طالب علم کالج کے ولی سٹوڈنٹ سے بہتر ہے۔‘‘ تو مذہبی اسکالر قاری حنیف ڈار کہتا ہے کہ ’’مدارس‘ گِے‘ بنانے والی فیکٹریاں ہیں، حکومت انہیں ہڈی ڈالتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم حکومت سے کچھ نہیں لیتے۔‘‘ یہ ہے ان نام نہاد علماء کی حقیقی شکل۔

مشہور کالم نگار دانشور جناب حسن نثار اپنے ایک کالم میں اسلامی پاکستان کے اسلامی تشخص پر بمباری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’ہم چاہیں تو اپنے اندر کا اصل خود ساختہ ’’اسلامی تشخص‘‘ بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں۔ فرض کریں کوئی نیوٹرل قسم کا غیر ملکی، غیر مسلم قرآنی تعلیمات سے انسپائر ہو کر پاکستان آ کر دو چار سال گزار کے ایک کتاب لکھتا ہے جس کا عنوان ہو ’’اسلامی پاکستان اور اسلامی تشخص‘‘ تو دیانتداری سے فرمائیں کہ وہ ہمارے اور ہمارے ملک کے بارے میں کیا لکھے گا؟ ہمارا ’’اصل تشخص‘‘ ہے کیا؟ جتنی نحوستیں اور پھٹکاریں ہم پر طاری ہیں وہ نہ آسمان سے اتری ہیں نہ امپورٹ کی گئی ہیں۔ دنیا کا کوئی ایک باعزت کامیاب معاشرہ بتائیں جہاں خیر اور شر کا تناسب ہم جیسا ہو، تو جب ہم اپنے ’’اسلامی تشخص‘‘ کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہم کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ خود کو بہلا رہے ہوتے ہیں یا خود کو دھوکہ

دے رہے ہوتے ہیں؟ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں؟ منافقت کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں یا لاعلمی، بے خبری، ڈھٹائی کی معراج پر ہوتے ہیں؟ یہ ہے ہماری حقیقی اجتماعی صورت حال لیکن کیا کریں کہ سچ صحیح ہوتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا، جھوٹ خود فریبی مقبول ہوسکتی ہے، سچ نہیں ہوسکتی۔ اگر ہماری آبادی کا صرف پانچ فیصد بھی اصل ''اسلامی تشخص'' کی تلاش پر تل جائے تو..'' اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں اور عوام کو اصل اسلامی تشخص تلاش کرنے کی توفیق دے تاکہ قوم کو نحوستوں اور پھٹکار سے نجات ملے۔☆

''آ ذرا دِل کو مرے تُو طور کر دے'' (کلام: رانا محمد حسؔن)

میری ساری سستیاں کافور کر دے ۔۔۔ جذب و اُلفت سے یہ دِل معمور کر دے
عشق کا جامِ لبالب یوں پلا دے ۔۔۔ دُوئی کا ہر نقش دِل سے دُور کر دے
اک تجلّی کو ترستا ہوں تری میں ۔۔۔ آ ذرا دِل کو مرے تُو طور کر دے
آرزوئے دید کو وہ رنگ دے دے ۔۔۔ رُوح کو میری کہ جو مسرور کر دے
اپنی جانب ہر گھڑی پرواز دے وہ ۔۔۔ عاشقوں میں جو مجھے مسطور کر دے
یوں لقاءِ ذات سے مخمور کر دے ۔۔۔ میرے ہر اک پل کو میری حور کر دے
کھول دے نیکی بدی کا حُسن و قبح ۔۔۔ میرے دل کی ظلمتوں کو نُور کر دے
عشق ہو جینا حسؔن کا اَور مرنا ۔۔۔ حُسن سے اپنے اِسے مسحور کر دے

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تاکہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔ اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ادارہ پیشوا بلا تفریق مذہب و ملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔ سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔ معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔ انشاءاللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔ لندن)

ابولَہَب ، نام نہاد مولوی اور عالمی طاقتیں !!!!

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:۔

’’ابولَہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اُس کے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا۔ وہ ضرور ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اُس کی عورت بھی، اس حال میں کہ وہ بہت ایندھن اٹھائے ہوئے ہوگی۔ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کا مضبوطی سے بٹا ہوا رسّہ ہوگا۔‘‘ (سورۃ اللّھب)

اس مقدس سورۃ میں زبردست پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اس سورۃ کے اول مصداق عبدالعزیٰ جسے ابولہب یعنی آگ کا باپ کہا جاتا ہے اور اس کی بیوی ام جمیل ہے جو ابوسفیان کی بہن تھی۔ ان دونوں نے ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نہ صرف بے حد مخالفت کی بلکہ جسمانی تکلیف دینے میں بھی اول درجہ پر تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی یہ دونوں دشمنان اسلام زندہ تھے۔ اس سورۃ میں ان کے متعلق پیشگوئی تھی کہ ایمان لائے بغیر لازماً یہ دونوں دردناک طریقے سے ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے۔ ان دشمنان اسلام کے لیے بہت آسان تھا کہ دل سے نہ سہی منافقانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ایمان لا کر اسلام اور نبی کریم ﷺ کی سچائی کو دھندلا دیتے مگر اللہ تعالیٰ کے سچے کلام کے عین مطابق دونوں ہلاکت کے گڑھے میں گر کر رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بن گئے۔ ابولہب جنگ بدر کے چند دن بعد پھوڑے کا زہر جسم میں سرایت کر جانے کے باعث ہلاک ہوا۔ روایات کے مطابق تین دن بعد جب اس کی لاش سے بدبو آنے لگی تو اس کی لاش ڈنڈوں سے دھکیل کر گڑھے میں پھینک دی گئی۔ اور اس کی بیوی بھی گلے میں رسی کا پھندہ بن جانے سے ہلاک ہوئی۔ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو بے ایمانی کی حالت اور نبی کی مخالفت کرتا ہوا مارا جائے۔

قیامت تک جب بھی ابولہبی سوچ ابھر کر اسلام کے لیے ضرر رساں ثابت ہوگی تب تب اللہ تعالیٰ اس کا سر توڑتا رہے گا۔ چاہے وہ اسلام کے نام لیوا نام نہاد علماء ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے نام نہاد علماء کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ’’جلد ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن صرف رسم کے طور پر استعمال ہوگا، ان کی مساجد بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت کے اعتبار سے خالی ہوں گی۔ اور ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہی سے فتنے نکلیں گے اور انہیں میں فتنے واپس لوٹائے جائیں گے۔‘‘ (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

سورۃ اللّھب پر اگر یہ نام نہاد علماء غور کریں تو انہیں اس میں اپنا چہرہ بھی دکھائی دے سکتا ہے۔ ابولہبی سوچ رکھنے والے علماء بھی یاد رکھیں کہ ان کے بد اعمال کے نتیجے میں ان کے مال اور سب کمائی کچھ کام نہ آئے گی، ان کے ہاتھ توڑ دیے جائیں گے ان کا اور ان کی ایسی بیویوں کی جو ان کے نقش قدم پر ہوں نیز ان کے مریدوں کا ہلاکت کے گڑھے میں گرنا یقینی دکھائی دے رہا ہے۔ توبہ کے سوا اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔ افغانستان میں روس آیا تو یہی نام نہاد علماء امریکی اسلحے اور ڈالروں سے جہادی تیار کرتے رہے، پھر امریکہ افغانستان میں گھس آیا بیس برس تک غیروں کی دولت کے بل بوتے پر جہاد کراتے رہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ نام نہاد علماء سورۃ اللّھب کے مطابق بمنزلہ عورت کے ہیں، ان کے گلوں میں ایسی منافقت کی رسیاں ہیں جو ٹوٹ نہ سکیں گی۔

ان نام نہاد علماء کے فتووں، فرقوں، تنظیموں نے جو چاند چڑھائے اس کا ایک نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

سینیگال کی آزادی کے لئے ایک عیسائی لیڈر سینغور نے نمایاں خدمات سرانجام دیں جس کی بنا پر آزادی ملنے کے بعد انہیں ملک کی باگ ڈور سونپ

دی گئی۔اب وہاں کے مذہبی لیڈرز کو خیال پیدا ہوا کہ ملک کی بیشتر آبادی تو مسلمان تھی اور سربراہ مملکت ایک عیسائی بن گیا۔ ملک کا سربراہ تو ایک مسلمان ہونا چاہیے۔ چنانچہ معروف علماء اور شیوخ نے باہمی مشورہ سے ایک وفد تجویز کیا جو صدر مملکت کو قبول اسلام کی دعوت دے۔

خیر وفد سربراہ مملکت کے پاس حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ سینیگال ایک مسلمان ملک ہے۔کیا اچھا ہو کہ اس ملک کا سربراہ بھی مسلمان ہو۔اس سے ملک کو بہت سارے متفرق فوائد حاصل ہوں گے۔ خاص طور پر اسلامی دنیا سے ہمیں ایک خاص مقام کے علاوہ معاشی فائدے بھی ملیں گے۔

سینیغور ایک جہاندیدہ لیڈر تھا کہنے لگا مجھے تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میری ایک شرط ہے۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی آبادی مختلف فرقوں میں تقسیم ہے جس طرح تیجانی، مرید، اہل سنہ، عبادالرحمان اور لائن وغیرہ ہیں۔اب اگر میں تیجانی فرقہ میں شمولیت اختیار کرتا ہوں تو اس کے نتیجہ میں دیگر سارے فرقے میرے خلاف ہوجائیں گے۔اگر مرید ہوتا ہوں تو ان کے علاوہ باقی ملک کی بیشتر آبادی میرے خلاف ہوجائے گی۔ میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے کہ آپ لوگ واپس تشریف لے جاکر باہمی رضامندی سے اپنا ایک خلیفہ منتخب کرلیں پھر میں بھی اس کی بیعت کرکے آپ کے ساتھ شامل ہوجاؤں گا۔

نتیجہ کیا ہوا؟ وہی جو ازل سے ہوتا آیا ہے کہ دوبارہ وہ کبھی بھی علماء اور شیوخ نے اس اہم مسئلے کے بارے میں اپنی بات نہیں دوہرائی۔ سینیغور نے اطمینان سے بیس برس سینیگال کے عوام کے دلوں پر حکومت کی۔ (بحوالہ انصار الدین ماہ جون 2021)

اسی طرح قائد اعظم سے بھی کہا گیا تھا کہ جلسے میں شریک لوگوں کو نماز پڑھائی جائے۔آپؒ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں فرقوں کا ماحول جانتے ہو اگر پنڈال میں موجود کسی مولوی کو امام بنایا تو پنڈال میں کئی جماعتیں نماز کے لیے کھڑی ہوجائیں گی اور دنیا میں برا پیغام جائے گا، اگر میں امامت کرواؤں تو یہ قبول کرلیں مگر میں خود کو امامت کے قابل نہیں سمجھتا۔

وطن عزیز میں جو خزاں کی ویرانی چھائی ہے اس کی وجہ بھی نام نہاد علماء حضرات کی ابولہبی سوچ ہے۔اگر یہ ناہنجار طبقہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوا، حقیقی توبہ نہ کی اور بہار کی پذیرائی کے لیے اپنی روحوں کو آمادہ نہ کیا تو اے نام نہاد طبقہ مولویاں! تم انجامِ ابولہب سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہو۔

سورۃ اللّھب ایک چھوٹی سی سورت ہے مگر دنیا کی سپر پاورز کے انجام کا بھی علم فراہم کرتی ہے۔جس طرح سے آج تک ہر وہ ہاتھ جو اسلام کے گریبان کی طرف بڑھا اسے اسے ابولہب کے ہاتھوں کی طرح اللہ تعالیٰ نے توڑ کر ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا اسی طرح آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، چاہے وہ ہاتھ اور گردن سپر پاورز کی اور ان کے حواریوں ہی کی کیوں نہ ہو توڑ کر ہلاکت کے تاریک متعفن گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔انشاءاللہ

اس سورۃ میں صرف ابولہب کا ہی ذکر نہیں بلکہ اس سے وہ دو قومیں جن کا تعلق مشرق اور مغرب سے ہے اور ان کے حواری بھی مراد ہیں جو آخری زمانہ میں ٹیکنالوجی کے بل پر دنیا پر غلبہ حاصل کرکے، ایٹمی ہتھیار جو آگ اور شعلے پیدا کرتے ہیں ایجاد کرکے، رسول اللہ ﷺ یا اسلام کے خلاف آگ بھڑکائیں گے۔اور سورۃ اللّھب ہمیں حتمی طور پر اس بات کی خبر دیتی ہے کہ یہ بڑی طاقتیں اور ان کے حواری جنہیں سورۃ اللّھب میں **امرَاَتُہ** کہا گیا ہے تباہ ہو جائیں گے، ان کی ایجادات، مال و دولت ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور ان کا یہ مقصد کہ اسلام کو مٹادیں کسی صورت بھی حاصل نہ ہوگا۔(وہ قومیں یا لوگ جو ان اقوام کے لیے بمنزلہ عورت کے ہیں، ان کے گلوں میں ایسی رسیاں ہیں جو ٹوٹ نہ سکیں گی۔یعنی ان کی مخالفت اسلام کے خلاف اتنی شدید ہوگی کہ اس کو دور کرنا مشکل ہوگا۔) (تفسیر کبیر جلد ۱۰)

پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کی سب سے بڑی وجہ اسلام دشمنی تھی۔ان جنگوں میں کروڑوں لوگ ہلاک ہوئے تھے۔اب جب کہ اسلام کی مخالفت زوروں پر ہے تیسری عالمی جنگ کے خطرات بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

سورۃ اللّھب میں موجود آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئی خلافت منہاج النبوۃ سے مشروط ہے۔قرآن کریم اور احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک امام اور ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ امام الزماں کو تلاش کریں۔

تماشا گر بھی تماشا بن جائیں گے!!

طالبان کا طوفان کی طرح افغانستان میں پھیل جانا کئی سوالات کو جنم دے رہا ہے۔کیا واقعی طالبان اتنے طاقتور ہیں کہ انہیں روکنا افغان آرمی کے بس میں نہیں تھا۔۱۶۷ جنگی طیارے، درجنوں ہیلی کاپٹر اور جدید اسلحہ رکھنے کے باوجود تین لاکھ فوج بے بسی کی تصویر کیوں بنی دکھائی دی۔اشرف غنی کو افغانستان سے بھاگ جانے کا مشورہ کس نے دیا، طالبان کی پیش قدمی روکنے کے لیے افغان فضائیہ کو کس نے ہوائی حملوں سے روکا وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہی لگتی ہے کہ طالبان کو ایک منصوبے کے تحت افغانستان پر قابض کروایا گیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے صدام حسین سے کویت پر قبضہ کروا کر بڑی طاقتوں نے شور مچا دیا تھا کہ صدام ظالم ہے اس نے کویت پر قبضہ کر کے انسانیت اور بین الاقوامی قوانین کا مذاق اڑایا ہے۔اقوام متحدہ کو مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ صدام، عراق اور اس کی فوج تباہ و برباد کر دیے گئے۔تفصیل اس کی اب تاریخ کا حصہ ہے۔

دوحہ مذاکرات کی آڑ میں جس ڈرامے کا اسکرپٹ تیار کیا گیا تھا اس کی پہلی قسط طالبان کے قبضے کی صورت میں منظر عام پر آ چکی ہے۔دوحہ مذاکرات میں شرکت کروانے کے لیے ملا عبدالغنی برادر کو پاکستانی جیل سے رہا کروایا گیا اور جس حقانی نیٹ ورک کو توڑنے کے لیے پاکستان سے ڈومور کا مطالبہ کیا جاتا تھا اسی نیٹ ورک کے ملا یعقوب اور ملا عمر کا بیٹا کابل میں سر عام فاتحانہ شان سے گھوم رہے ہیں۔طالبان کے قبضے کے بعد دوسری قسط کے طور پر بڑی عالمی قوتیں طالبان کو ظالم اور انسانی حقوق پامال کرنے والے قرار دے کر ان پر پابندیاں عائد کر رہی ہیں۔جلد یا چند ماہ بعد دنیا دیکھے گی کہ طالبان کی جہالت افغان قوم کو غربت، جہالت اور مذہبی جنونیت کے شکنجے میں کس کے تاریک کنوئیں میں پھینک دے گی اور وطن عزیز بھی سیاستدانوں اور طالبان کے غیر دانشمندانہ اقدامات کے نتیجے میں آگ اگلے گا اور لہو تھوکے گا۔اور طاقتور ممالک آخری قسط تک تماشا دیکھیں گے۔بہتر یہی ہے کہ نیا اسکرپٹ تیار کیا جائے جو حقیقی انصاف پر مبنی ہو۔افغانی عوام کو بھی انسان سمجھا جائے جو گزشتہ چالیس برس سے لاشیں اٹھا رہے ہیں۔ورنہ عالمی برادری لکھ رکھے کہ طالبان نامی پتلیوں کی ڈوریاں ہلانے والے تماشا گر بھی تماشا بن جائیں گے اور فلک ان کا عبرت ناک تماشا دیکھے گا۔اور شاید اس کے بعد نہ کوئی تماشا گر باقی بچے گا اور نہ ہی کوئی تماشا گاہ رہے۔اللہ رحم فرمائے، طاقتوروں اور کمزوروں کو عقل سلیم عطا فرمائے۔آمین یا ربّ العالمین

”تیرا حُسنِ اَخلاقی مَر گیا“

(شکیل ناصؔر۔لندن)

وہ سجدۂ شوق کیا ہوا　　وہ سخن بلالی کدھر گیا
وعدۂ محبت تم نے توڑا　　عشق حسد کی نظر گیا
تجھے ذوق آئینہ نہ رہا　　تیرا حُسنِ اَخلاقی مَر گیا
اوئے لذت تمنا کے آشنا　　حرفِ زُباں سے اثر گیا
بادۂ صنم میں بے سود　　مُسلم دِل سے گزر گیا
حضوریٔ نفس کا انجام ناصؔر　　نائب مقام سے اُتر گیا

”مدرسے کا فاسق طالب علم کالج کے ولی سٹوڈنٹ سے بھتر ھے؟“

جناب رضا ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ روز ایک خبر نظر سے گزری جس کے مطابق دیوبندی حنفی عالم دین، مناظر اور خطیب مولانا الیاس گھمن نے اپنے حالیہ خطاب میں کہا ہے کہ ”مدرسے کا فاسق طالب علم کالج کے ولی اسٹوڈنٹ سے بہتر ہے۔“

تفصیلات کے مطابق ایک ویڈیو میں انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ مدرسے کا فاسق طالب علم کالج کے ولی اسٹوڈنٹ سے افضل ہے۔انہوں نے اسی بات کو دہراتے ہوئے کہا کہ مدرسے کا گنہگار اور درویش طالب علم کالج کے نہایت نیک قسم کے سٹوڈنٹ سے بہتر ہے۔

یہ خبر پڑھنے، سننے اور سمجھنے کے بعد ابتدائی ردعمل کے چند لمحوں میں تو دل و دماغ چیخ اٹھے کہ یہ کیا لوگ ہیں؟ کس دنیا کے باسی ہیں؟ تاہم کچھ دیر کے بعد مولانا صاحب کی گفتگو اور دعووں میں چھپے اس موازنے کے پیچھے محرکات، اس سوچ کی پیدائش کے عوامل اور زاویوں کی بنیاد اس پر غور کرنا شروع کیا۔بظاہر مولانا الیاس گھمن کا یہ بیان عقل سے عاری منطق پر بھاری معلوم پڑتا ہے۔تاہم یہ بقا کے اس دباؤ کی ایک علامت ہے جو اس وقت مذہب کے یہ نمائندے محسوس کر رہے ہیں۔معاملات واضح ہیں۔اس ملک میں بیک وقت تین سے چار قسمی تعلیمی دھارائیں بہہ رہی ہیں۔اشرافیہ کے انگریزی میڈیم اداروں سے لے کر متوسط طبقے کے انگریزی و اردو میڈیم جسے آج کل آسانی سے سمجھنے کے لیئے میٹرک یا او لیول کہا جاتا ہے اور پھر غریب تر طبقے کے لئے سرکاری سکول اور پھر مفلسی کا شکار گھروں کے لئے دینی مدارس۔ یہ تمام دھارائیں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے چکی ہیں جس کی ہر یونٹ دوسرے کے مخالف ہے۔یہ تمام تعلیمی ادارے جن طلبا کو فارغ التحصیل کر رہے ہیں ان کا دنیا کو دیکھنے کا زاویہ، انکے اقدار، لالچ و ایمانداری، نیک و بد کی تعریفات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔یہ ایک دوسرے سے باہم الجھتے رہتے ہیں اور بسا اوقات تو تصادم خیز شکل میں۔تاہم ٹیکنالوجی کی جدت، عالمی ابلاغیات کے نظام اور ایک ایسے عالمی سیاسی نظام میں جہاں مذہب کی جگہ روز بروز کم سے کم تر ہو چکی ہے اب مدارس سے جڑے ہوئے طلبا اپنے آپ کو دوسرے نظام تعلیم سے بہرہ مند ہونے والے طلبا کے مقابلے میں خسارے میں محسوس کرتے ہیں۔وہ بھی دنیاوی علوم حاصل کر رہے ہیں اور ایک مخصوص مذہبی شناخت اور محدود سمجھ بوجھ کے باعث خود کو ایک حد کے بعد آگے بڑھنے سے قاصر پاتے ہیں۔ایسے میں ایک فطری خواہش کے تحت ان نوجوانوں کا بھی دوسرے تعلیمی اداروں کی جانب رجحان ہو رہا ہے یا کم از کم وہ ان اداروں اور انکے طلبا کو رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ابھی حال ہی میں مجھے مختلف مدارس کے بچوں سے بات چیت کا موقع ملا اور اس میں میرے لیئے حیران کن بات یہ تھی کہ ان میں سے 90 فیصد کے زندگی کے بارے میں عزائم وہی تھے جو عام تعلیمی نظام میں موجود طلبا کے۔جب کہ دینی تعلیمی نظام ان کے ان خوابوں اور عزائم کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ وہ انہیں ان سے روکتا ہے۔نتیجے کے طور پر یہ نوجوان جب اس پورے نظام اور اس کے قائم کردہ تشخص اور انکی اپنی شخصیت کے بارے اس نظام کی دی گئی تعریفات پر متشکک ہو رہے ہیں تو یہی دباؤ ہے جس کو مذہبی بیانیہ ساز محسوس کر رہے ہیں۔اور پھر اسی کے تحت مولانا الیاس گھمن اور ان جیسے دیگر علماء بودے بیانات دیتے آئے روز نظر آتے ہیں۔ (مذہبی شخصیات کی جانب سے غیر منطقی بیانات بقا کی آخری کوششیں ہیں از رضا ہاشمی۔۴ جولائی ۲۰۲۱ء روزنامہ نیا دور)

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

مشرقی اُفق

”طالبان نے بغیر خون خرابے کے کابل فتح کرلیا!

میر افسر امان۔ اسلام آباد

الحمدللہ! افغان طالبان نے بغیر خون خرابے کے افغانستان کا دارالحکومت کابل فتح کرلیا۔ صلیبی میڈیا کا پروپیگنڈہ دم توڑ گیا کہ طالبان افغانستان پر قابض ہوئے تو خون خرابہ ہوگا۔ وہ رے دنیا! جن کو تم طالبان کو جاہل، اوجنڈ، دہشت گرد اور انکے چہروں اور لباس کو دیکھ کر آثار قدیمہ اور نہ جانے کیا کیا الزام لگاتے تھے۔ ان کی کامیاب جنگی چالوں پر اب تم تحقیقی ادارے اور بینچ قائم کرو گے کہ چالیس (۴۰) ناٹو صلیبی فوجوں کو نہتے فاقہ مست بے یارو مددگار اور بغیر کسی بیرونی امداد کے جدید اسلحہ، جدید ٹیکنالوجی، جدید ہوائی جہازوں، ٹینکوں، بکتر گاڑیوں، جدید ترین میزائلوں اور فضاؤں میں قائم اپنے جدید ترین سیٹلائیٹ نظام سے زمین میں رینگتی ہوئیں چیونٹیوں کو بھی دیکھ کر بمباری سے تباہ کر سکتے ہو کو کیسے شکست فاش سے ہم کنار کیا۔ تم نے اپنے سارے جدید ہتھیار بھی استعمال کر لیے۔ مدر آف بم، (دنیا کا سب سے بڑا بم) بھی چلا کر دیکھ لیا۔ ڈیزی کٹر بمب بھی پھینک کر دیکھ لیے، ارے تم نے سارے افغانستان کو تورا بورا بنا کر تباہ و برباد کر دیا۔ ہر کسی ہلتی ہوئی چیز پر شک کرتے ہوئے بمباری کر کے تباہ کر دیا۔ ساری صلیبیوں دنیا کے بہترین جاسوسی نظام، مقامی میر جعفروں اور میر صادقوں کی فوج در فوج بھی تمھارے ساتھ تھی۔ تمھارے جاسوس کتے باوجود کہ امیر ملاعمرؒ کی پناہ گاہ تک پہنچ گئے تھے، پھر بھی کو اُسے تلاش نہ کر سکے۔ ملاعمر امیر المومنین تیرا (۱۳) سال روپوش رہ کر طالبان کی کمانڈ کرتا رہا۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ لاکھوں ڈالراس کے زندہ یا مردہ گرفتاری پر رکھ کر بھی تم کو منہ کی کھانی پڑی۔

وہ مرد مجاہد بلا آخر اپنی طبعی موت ہی مرا۔ پوری اسلامی دنیا کے حکمران تمھارے خوف کی وجہ سے طالبان کی مدد نہ کر سکے۔ بلکہ تمھاری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہتے تھے کہ طالبان نے بزور طاقت افغانستان پر قبضہ کر کیا اور اپنی چھینی ہوئی امارت اسلامیہ قائم کی تو ہم اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ تم شور مچاتے رہے۔ طالبان ضلع پر ضلع اور صوبہ پر صوبہ فتح کرتے گئے۔ بلا آخر افغانستان کے دارالخلافہ کابل میں چاروں طرف سے داخل ہوئے اور کابل کی عمارتوں پر فتح کے جھنڈے لہرا کر اللہ اکبر کے لگاتے رہے۔ اب تم مجبوراً طالبان کو تسلیم کرو گے! ان شاء اللہ۔

طالبان نے مرکزی حکومت اور صدارتی محل کا کنٹرول سنبھال لیا۔ پل چرخی اور بگرام کی جیلوں سے اپنے ساتھیوں کو رہا کرا لیا۔ امریکا کے سارے ہیلی کاپٹروں کو سامان سمیت قبضے میں لے لیا۔ تم اور تمھارے چمچے حیران اور پریشان ہو گئے۔ تمھارا پٹھو اشرف غنی صدر افغانستان اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کے ساتھ کابل سے فرار ہو کر تاجکستان پناہ مانگنے چلا گیا۔ افغان وزیر دفاع کہتا ہے کہ اشرف غنی نے ہمارے ہاتھ باندھ کر وطن بیچ دیا۔ عبداللہ عبداللہ کہتا ہے اللہ اشرف غنی سے حساب لے گا۔ حامد کرزئی کہتا ہے میں اب بھی کابل میں موجود ہوں۔ سابق وزیر اعظم افغانستان سربراہ حزب اسلامی گل بدین حکمت یار کہتا ہے کہ افغان نے حکومت اقتدار چھوڑنے میں ہچکچاہٹ دکھائی۔ کچھ لوگ طالبان کی تحمل مزاجی کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ احمد شاہ مسعود کے بیٹے کا طالبان کی مشروط حمایت کا اعلان کیا اور کہا کہ پاکستان سے ایماندارانہ اسٹریجک شراکت داری ناگزیر ہے۔ امریکا کے سفارت خانے نے حساس دستاویزات جلا دیں۔ ایئرپورٹ پر عاضی سفارت خانہ قائم کر لیا۔ یورپی یونین کے تمام عہدیدار نا معلوم مقام پر منتقل ہو گئے۔

طالبان نے اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ کہا کہ شہری خوف زدہ نہ ہوں۔ کسی کی جان مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مجاہدین گھروں میں داخل ہوں گے نہ تنگ کریں گے۔ ملک سے ہجرت کرنے والے واپس آجائیں۔ سفاتخانوں اور امدادی کارکنوں کی حفاظت کی جائے گی۔ ذبیح اللہ مجاہد کا اعلان۔ یونیسف کے ترجمان نے

اعلان کیا کہ طالبان کا رویہ اچھا ہے ہمارے دفتر کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا۔ روس نے اعلان کیا کہ روس کابل کا اپنا سفارت خانہ خالی نہیں کرے گا۔ پاکستان نے کہا کہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلات نہیں کریں گے۔ پاکستان کے وزیراعظم عمران خان نے قومی سلامتی کا اجلاس بلالیا۔ طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کا فیصلہ عالمی رائے عامہ اور زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے کریں گے۔ بھارت منفی کردار سے گریز کرے۔ بھارت افغانستان سے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر واپس بھارت اپنی جگہ آ گیا۔ پاکستان نے کہا کہ کابل کا سفارت خانہ بند نہیں کر رہے۔ برطانوی وزیر خارجہ کا پاکستانی وزیر خارجہ کو فون اور افغانستان کے تازہ صورت حال پر اظہار تشویش۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سراج الحق نے کہا کہ امریکا کی شکست افغان عوام اور عالم اسلامی کی کامیابی ہے۔ اُمید ہے اب امریکا کسی بھی ملک پر چڑھائی نہیں کرے گا۔ طالبان کے اعلانات قابل ستائش ہیں۔ اقدامات کی وجودہ دنیا میں مثال نہیں ملتی افغان عوام نے ہمیشہ بڑی طاقتوں کو شکست دی۔ اپنے مسائل بہتر انداز میں حل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اَور طالبان پھر آ گئے !!!

عورتیں گھر میں رہیں گی۔۔۔لڑکیاں چھپ جائیں گی۔۔۔پھول شاخوں پر کھلیں گے۔۔۔اور وہیں مرجھائیں گے۔۔۔ چاند سورج اور ستارے دھند میں کھو جائیں گے۔۔۔ دور تک اڑتے پرندے۔۔۔گیت گانا بھول کر۔۔۔ اپنے اپنے آشیاں میں۔۔۔ خوف سے مرجائیں گے۔۔۔خواب جیسی زندگی کے۔۔۔ خواب دیکھیں گے مگر۔۔۔صبح جب پھیلے گی گھر میں۔۔۔ ریڈیو کھولیں گے لوگ۔۔۔اور کھڑکی سے اچانک۔۔۔طالبان آجائیں گے۔

(ذیشان ساحل)

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4۔ فل سائز۔کلر۔150£ ہاف پیج۔کلر۔ 80£ کوارٹر پیج۔کلر۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

نوٹ: کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

(اَلَستُ بِرَبِّکُم۔ قَالُوا بَلٰی)

(تحریر: پروفیسر نصیر حبیب صاحب)

نوٹ: جماعت احمدیہ عالمگیر سے تعلق رکھنے والے پروفیسر نصیر حبیب صاحب نے یہ مضمون بھیجا تھا۔ قارئین کے استفادہ کے لیے بلاقطع و برید شائع کیا جارہا ہے۔ اگر کوئی قاری، پروفیسر صاحب سے سوال جواب کرنا چاہے تو ان سے ادارہ پیشوا رابطہ کروا کر اپنی صحافتی ذمہ داری پوری کرے گا۔ انشاءاللہ

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَستُ بِرَبِّکُم۔ قَالُوا بَلٰی۔(الاعراف:173)

(کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً و فطرتاً محبت ہے اس لیے کہ وہ اس کی پیدائش ہے۔''

(چشمۂ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20، صفحہ 364)

لیکن انسانی فطرت میں یہ شہادت ایک درجہ پر نہیں ہوتی بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام: ''ایک تحصیل پھیکی ہوتی ہے ایک گاڑھی ہوتی ہے۔ دونوں میں فرق ہوتا ہے۔''

(البدر جلد 2 نمبر 18، صفحہ 1، 22?مئی 1903ء)

دراصل انبیاء کرام اس لیے آتے ہیں کہ فطری شہادت کے اس مدھم سے نوری شعلہ کو جو روح کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے اپنی انفاس قدسیہ سے فروزاں کردیں کہ ہر طرف اسم محمدؐ سے اجالا ہوجائے۔

انبیاء کے بعد یہ سلسلہ ان کے مجددین اور مامورین کے ذریعے جاری رہتا ہے۔ لیکن امت مسلمہ پر مخبر صادق آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق وہ وقت آچکا تھا کہ ''عُلَمَآءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ'' جب امت مسلمہ کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

بظاہر کئی دعوے دار تھے لیکن امت مسلمہ کی حالت بقول غالبؔ

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

مسلمانان ہندوستان پر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جو ستم ٹوٹا تھا کہ ایک قسم کا فکری انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طبقہ جو اہل شریعت کہلاتا تھا جو کہ علماء سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا طبقہ جو کہ اہل طریقت کہلاتا تھا صوفیاء کا تھا۔

علمائے کرام حیلہ سازیوں کے ذریعہ ایک طرف عوام اور حکمرانوں کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کررہے تھے اور دوسری طرف اہل طریقت یہ سمجھتے تھے کہ روحانی ترقی کے لیے کسی خاص مذہب یا عقیدہ سے وابستگی ضروری نہیں۔

کِتے رام داس کِتے فتح محمد، ایہو قدیمی شور
مِٹ گیا دُونہاں دا جھگڑا، نکل پیا کُجھ ہور

اہل شریعت اور اہل طریقت کا یہ مخاصمہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کی جھلکیاں اس زمانے کے ادبی شاہکاروں میں بھی نظر آنے لگیں۔ چنانچہ قصہ ہیر رانجھا کے خالق وارث شاہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ انسانی روح کس کی امانت ہے شریعت کی یا طریقت کی۔ قصہ وارث شاہ میں ہیر انسانی روح کی علامت ہے جبکہ رانجھا طریقت کی اور کھیڑا شریعت کی۔ (مقامات وارث شاہ از علی عباس جلال پوری)

چنانچہ قرآن پاک میں جو ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَلَستُ بِرَبِّکُم۔ قَالُوا بَلٰی۔

وارث شاہ اسی کا ذکر اپنے قصہ میں یوں کرتے ہیں

عین شین تے قاف جے نیّت میری جنہاں ہیر ایمان دیوا یائی
قالو بلیٰ دیروز نکاح بدھا روح نبی آن نبھایائی

لیکن اہل شریعت اور اہل طریقت دونوں اس صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے جو انسانی فطرت میں موجود قالو بلیٰ کے مدھم نوری نکتہ کو فروزاں کر دے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں پھیکی تحصیل کو گاڑھی کر دے چنانچہ ہیر جو انسانی روح کی علامت ہے وہ پکار اٹھتی ہے

ہیر آکھدی جوگیا جھوٹھ بولیں کون رٹھڑے یار مناوندا ای
ایسا ملیا نہ کوئی ڈھونڈ تھکی جھیڑا گیا نو موڑ لیاوندا ای

یہ قصہ 1766ء میں لکھا گیا لیکن رفتہ رفتہ 1857ء کے بعد مسلمانان ہندوستان نے فکری انتشار اور روحانی ادبار کی اتھاہ گہرائیوں کو چھو لیا۔ یہاں تک کہ جدید تعلم یافتہ طبقہ جو علی گڑھ کی تحریک سے متاثر ہوا تھا وہی زبان بول رہا تھا جو مغرب کے نام نہاد مستشرقین بول رہے تھے چنانچہ پروفیسر رینان جو ایک مشہور محقق گزرا ہے وہ اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

”عربی زبان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ فلسفی مسائل کو ادا کر سکے“

(مقالات شبلی جلد دوم صفحہ 54،55)

چنانچہ علی گڑھ گزٹ میں ایسے مضامین شائع ہوتے تھے جن میں ان خیالات کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ عربی زبان میں ایسا کوئی لٹریچر موجود نہیں جو خیالات کو رفعت اور کردار کو استحکام عطا کر سکے کیونکہ ”جہاں تک ہم سمجھتے ہیں عرب تو ہمیشہ سے وحشی اور جاہل لوگ رہے ہیں جن کو تہذیب سے بہت کم حصہ ملا“ (مقالات شبلی۔ مسعود علی ندوی)

بعد میں بعض لوگ تو اس سفر جنوں میں اس حد تک چلے گئے کہ اگر نٹشے (Nietzche) نے یہ کہا تھا: God is dead (Gott ist tot) تو یہ خیالات اردو شاعری میں اس طرح در آئے کہ

نہیں اس دریچے کے باہر تو دیکھ
خدا کا جنازہ لیے جا رہے ہیں فرشتے

یعنی جدید تعلیم سے آراستہ نوجوان جن سے یہ توقع تھی کہ وہ کوئی خدمت اسلام بجا لائیں گے انہیں مغربی فلسفے کا طوفان خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جا رہا تھا۔ اور انسانی روح جسے قَالُوا بَلٰی کی شہادت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ چیخ اٹھی

مینوں لے چلے وے بابلا لے چلے

یہ وہ تناظر تھا جس میں قادیان کے گمنام گوشوں سے ایک شخص باہر نکلا زبر دست نشانوں سے خدا کا چہرہ اس طرح دکھایا کہ آنکھوں کی پیاس بجھ گئی۔ دل یقین سے بھر گئے اور پیاسی روحیں لذت دیدار سے اس طرح سرشار ہوئیں کہ دورِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خلافت خامسہ تک کبھی نماز عشق قضا نہیں کی۔ سرِ مقتل بھی شہادت دی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی۔

”اجتماع برائے ختم نبوت“

عورت نے دونوں ہاتھ باندھ کر گود میں رکھے، ٹوٹی ہوئی صدارتی کرسی پر احتیاط سے ٹیک لگائی اور پھر خیالوں میں اداسی سے غرق ہو گئی اور کھڑکی سے آتی روشنی کی چوڑی پٹی میں ناچتے گرد و غبار کے ذروں پر نظریں جما دیں۔ ”نفاذ اردو!“ وہ سوچ رہی تھی۔ ”بروزن نفاذ مارشل لا یا نفاذ ختم نبوت“۔ اس پر پھر ہنسی کا دورہ پڑا۔ گزشتہ ہفتے وہ لاہور میں ایک قدیم مسجد، مسجد وزیر خان دیکھ کر آئی تھی جس کے شکستہ حال Entrance پر جس کے بارعب نیلے اور زمردیں نقش و نگار بتاتے تھے کہ کبھی وہ کتنی حسین و جمیل رہی ہو گی، بڑا سا بینر دیکھا تھا۔ ”اجتماع برائے ختم نبوت“ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا کہ شہر کے کونوں کھدروں سے لاتعداد نبوت کے داعی نکل پڑے ہیں۔ ایک وبا سی پھیل گئی ہے جس کا فوری انسداد بے حد ضروری ہے۔

”یہ سب قادیانیوں (احمدیوں) کی منڈیا رگڑنے کے لیے۔۔۔۔“ تب اس نے افسوس سے سوچا تھا۔ اور بچارے قادیانی (احمدی) کیا کہتے ہیں۔۔۔ ایسا سننے کی کسی کو فرصت نہیں۔ کبھی اسکول کے زمانے میں ایک قادیانی (احمدی) لڑکی اس کی ہم جماعت تھی، وہ خوش بخت اس قدر روزہ، نماز کی پابند تھی کہ اس سے کبھی دوستی نہ ہو سکی تھی۔ وہ روزہ نماز سب بیکار۔ افسوس!

(فہمیدہ ریاض صاحبہ کے ایک افسانہ ”دفتر میں ایک دن“ سے ایک اقتباس)

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

افسانہ

''فلاحی کام''

افسانہ نگار: تنویر صادق

صوفی صاحب کو لوگ انتہائی نیک آدمی سمجھتے اوران کی ہر بات پر پوری طرح اعتبار کرتے تھے۔ جب سے وہ اس دفتر میں تبدیل ہوکر آئے تھے ہر ماہ کوئی نہ کوئی اصلاحی کام کرتے نظر آتے تھے۔ ہر ماہ یکم تاریخ کو لوگوں کو تنخواہ ملنا ہوتی تھی اور پچیس تاریخ کے بعد کسی بھی دن صوفی صاحب کی طرف سے پورے دفتر میں ایک نوٹس وصول ہوتا کہ ایک بیوہ کی بچی کی شادی ہے حسب توفیق مدد کریں۔ کسی ماہ کسی یونیورسٹی کے چند طلبا کی فیس کا مسئلہ پیش آجاتا اور مدد درکار ہوتی۔ کسی ماہ کسی شدید بیمار شخص کی مدد کرنا ہوتی۔ کبھی کینسر کا مریض مدد کا طالب ہوتا تو اس کی امداد تین چار ماہ تک کی جاری رہتی۔ غریب لوگوں کو غربت اور بے چارگی کا احساس چونکہ بہت شدید ہوتا ہے اسی احساس کے باعث وہ کسی غریب اور مجبور کی مدد اپنا فرض جان کر کرتے ہیں۔ دفتر کے تمام کلرک، چپڑاسی اور درجہ چہارم کے ملازم صوفی صاحب کے حکم پر لبیک کہتے اور اپنا پیٹ کاٹ کر بھی کچھ نہ کچھ صوفی صاحب کی نذر کر دیتے تھے کہ نیک کام کا اللہ اجر دینے والا ہے۔ خصوصاً مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد صوفی صاحب کے تمام نمازی ساتھی ہر ماہ ان کے حکم پر اپنی معمولی تنخواہ میں سے بھی کچھ نہ کچھ انہیں پیش کرتے کہ صوفی صاحب کا فلاحی کام جاری و ساری رہے۔

گورا چٹا، سرخ و سپید چہرہ، لمبا قد، لمبی سفید ڈاڑھی، ہاتھ میں تسبیح یہ صوفی صاحب تھے۔ نام کے بھی اور حلیئے کے بھی صوفی۔ تمام دفتر کے لوگ اُن کا بہت حد تک احترام کرتے اور دفتر کا ہر شخص ان کی ہر بات پر اعتبار کرتا۔ البتہ کچھ لوگ صوفی صاحب کے بارے اچھے خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ان کے خیال میں سب ڈرامہ تھا اور صوفی صاحب اپنے گھر کے حالات اور اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے ہر ماہ ایک ڈرامہ تخلیق کرتے تھے۔ جس کا حقیقت سے کبھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صوفی صاحب کا گھر کہیں دور تھا جو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مگر ان کے ساتھی اتنے نیک انسان کے بارے کوئی غلط سوچ رکھنا گناہ سمجھتے تھے اور ان کے خلاف بولنے والوں پر بالکل اعتبار نہ کرتے تھے۔

اچانک ایک ماہ صوفی صاحب نے اعلان کیا کہ وہ ہسپتال بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں عام ہسپتال تو بہت ہیں، مگر دانتوں کے ہسپتال بہت کم تھے۔ حالانکہ اسلام میں سب سے زیادہ دانتوں کی صفائی کی تلقین کی گئی ہے۔ شہر میں زمین مہنگی تھی اس لئے انہوں نے شہر کے ساتھ ہی ایک نئی بننے والی سکیم میں ہسپتال کے لئے پلاٹ لیا۔ سکیم مالکان سے فلاحی کام کے نام پر پلاٹ بھی رعایتی قیمت پر مل گیا اور فلاحی ادارے کے صدر کی حیثیت سے اس پلاٹ کی رجسٹری صوفی صاحب نے اپنے نام پر کرائی۔ اس فلاحی ادارے کے دیگر عہدیداروں کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا تھا۔ ان عہدیداروں کے بارے سوال پر لوگوں کو وہ خوب صورتی سے ایک گول مول سا جواب دیتے کہ میرے دفتر کے ساتھی ہی اس کے عہدیدار ہیں۔ زمین حاصل کرنے کے بعد ہسپتال کا نقشہ تیار ہوا اور بڑی تیزی سے تعمیر ہونے لگی۔ چونکہ یہ ایک سرکاری دفتر تھا اور اس دفتر میں بہت سے ٹھیکیداروں کا آنا جانا تھا۔ چنانچہ ان کے چاہنے والوں نے ٹھیکیداروں کو قابو کرنا شروع کر دیا کہ وہ سب بھی صوفی صاحب کی ان کے نیک کام میں مدد کریں۔ یوں سب ٹھیکیدار کچھ نیک کام سمجھ کر اور کچھ مجبوراً صوفی صاحب کے ہسپتال کی تعمیر میں حصہ لینے لگے۔ صوفی صاحب کی ریٹائرمنٹ میں کچھ ماہ باقی تھے۔ اس لئے ان کی کوشش تھی کہ ہسپتال ان کی ریٹائرمنٹ سے پہلے مکمل ہو جائے۔ دفتر کی بس پر وہ ایک دو دفعہ اپنے ساتھیوں کو لے کر زیر تعمیر ہسپتال دکھانے گئے۔ بہت خوب صورت بلڈنگ تھی۔ ایک چیز سب نے محسوس کی کہ ہسپتال کے ساتھ ڈاکٹر کے لئے جو گھر بنایا گیا تھا وہ ہسپتال سے بھی کافی وسیع اور خوب صورت تھا۔ ساتھیوں کے استفسار پر صوفی صاحب نے فرمایا کہ آج کل ڈاکٹروں کو پوری سہولتیں نہ

ملیں تو وہ کام نہیں کرتے۔ اس لئے میں نے اچھا گھر بنایا ہے تا کہ یہاں کام کرنے والے ڈاکٹر سکون سے یہاں رہ کر دل جمعی سے کام کر سکیں۔ ویسے ضرورت پڑی تو گھر کے کمروں کو وارڈوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ڈاکٹر کے لئے دوسری منزل پر ایک گھر بنایا جا سکتا ہے۔ ثواب کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ لُٹا دینے والے ساتھی صوفی صاحب کی اس بات سے مطمئن ہو گئے۔

صوفی صاحب کی ریٹائرمنٹ میں چند دن باقی تھے کہ ہسپتال مکمل ہو گیا۔ صوفی صاحب کے بقول یہ ایک خیراتی ہسپتال تھا۔ یہاں لوگوں کا علاج مفت ہونا تھا۔ غریب لوگوں کو مہنگے ہسپتالوں سے نجات حاصل ہونے والی تھی۔ صوفی صاحب کو ریٹائرمنٹ کے فوری بعد وہاں کے لئے ڈاکٹر کا انتظام کرنا تھا اور ڈاکٹر کی مدد کے لئے مددگار عملہ اور انتظامی عملہ تلاش کرنا تھا۔ ریٹائرمنٹ کی الوداع پارٹی میں صوفی صاحب نے شاندار تقریر کی۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں خدمت خلق کے فوائد لوگوں کو بتائے اور دانتوں کے اس ہسپتال کی افادیت پر روشنی ڈالی۔ ساتھیوں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ ساتھیوں سے مزید جو کچھ لے سکتے تھے لیا اور دفتر اور دفتر والوں کو اللہ حافظ کہہ کر چلے گئے۔ تمام ساتھی صوفی صاحب کے اس کارنامے اور اپنی کاوشوں اور مدد پر نازاں اور خوش تھے کہ سب نے مل کر ایک بہت بڑا نیک کام کر لیا ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد صوفی صاحب پنشن وغیرہ کے کاغذات کے لئے چند دفعہ دفتر آئے، مگر اپنا کام مکمل ہونے کے بعد لوٹ کر کبھی پرانے ساتھیوں کی خبر بھی نہیں لی۔ صوفی صاحب سے رابطہ نہ ہوئے تقریباً ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ ان کی نیکی اور خدمت کی باتیں دفتر میں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے دو چاہنے والے دانتوں کے علاج کے لئے کسی کلینک کی تلاش میں تھے، علاج ہر جگہ بہت مہنگا تھا۔ انہیں صوفی صاحب کے خیراتی ہسپتال کا خیال آیا۔ وہ سکیم جس میں ہسپتال تھا اب ایک جدید بستی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ دونوں ساتھی علاج کرانے وہاں پہنچ گئے۔ جگمگ کرتی شاندار بلڈنگ، کسی لحاظ سے خیراتی ہسپتال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر چوکیدار نے اندر جانے سے پہلے پوری پوچھ گچھ کی۔ پوری انکوائری کے بعد وہ ریسپشن پر پہنچے اور علاج کے بارے پوچھا۔ بہت مہنگا ہسپتال تھا۔ جس طرح بڑی بڑی گاڑیوں میں لوگ آ رہے تھے انہیں پہلے ہی اندازہ ہو رہا تھا۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے ریسپشن پر موجود لڑکی سے صوفی صاحب کا پوچھا۔ لڑکی نے کہا کہ وہ ان کے بارے کچھ نہیں بتا سکتی وہ انتظار کریں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب گزریں گے تو ان سے پوچھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر صاحب گزرے، ان سے صوفی صاحب کے بارے پوچھا۔ پہلے انہوں نے ان درویش سے سادہ لباس لوگوں کی طرف کچھ عجیب انداز سے دیکھا کچھ تفصیلات معلوم کیں۔ پھر کہا ابا جی گھر آرام کر رہے ہیں یہ کہتے ہوئے اس نے ہسپتال سے جڑے اسی عظیم الشان گھر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے ملنا ہے تو ریسپشن سے ان کے نمبر لے لیں ان کی پرائیویٹ سیکرٹری بولے گی۔ اس سے ملنے کا ٹائم لے لیں۔ ابا جی بڑے مصروف آدمی ہیں۔ بہت سے فلاحی کام انہوں نے ذمے لے رکھے ہیں اس ذاتی ہسپتال اور ملحقہ مارکیٹ کی دیکھ بھال بھی کرنا ہوتی ہے اس لئے بغیر ٹائم دیئے کسی سے نہیں ملتے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، دونوں کے منہ سے نکلا، ذاتی ہسپتال، دونوں مسکرائے۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ صوفی صاحب کے تمام فلاحی کام اپنے گھر اور بیٹوں کے روزگار کے لئے ہوتے تھے۔ ☆☆☆

عبارت سے ورق عاری رہے گا
مگر لکھنا مرا جاری رہے گا

ازل کی صبح سے شام ابد تک
نشہ مجھ پہ تو یہ طاری رہے گا

خدائی ہے تو ہے کوئی خدا بھی
نہ ہو شاعر تو کب قاری رہے گا

جو ناز کج کلاہی سے ہے غافل
وہی فن کار درباری رہے گا

محبت کرنے والوں کا جہاں سے
عجب اک رشتۂ خواری رہے گا

بندھی ہے جس کے سر دستار شاہی
وہ صوفی جنس بازاری رہے گا

لطف الرحمٰن

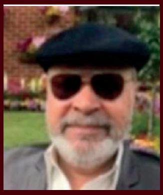

”کیا کائنات اتفاقیہ طور پر وجود میں آئی؟“

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

عصر حاضر میں بڑے یقین سے سائنسدانوں کی اکثریت اس بات کی تبلیغ کرتی ہے کہ کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ کائنات کا بننا، اس کا پھیلنا اور اس میں موجود زندگی کا نشو نما پانا محض اتفاق ہے۔ زمین کا معرض وجود میں آنا، انسانوں، چرند، پرند، نباتات اور ہر قسم کی مخلوقات کا ارتقاء بھی محض اتفاق ہے۔ اس طرح کا دعویٰ کرنے والوں کا علم بقول نیوٹن اتنا معمولی ہے کہ جیسے سمندر کا ایک قطرہ۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس ایک قطرے جتنے علم نے جن اسرار سے پردے ہٹائے ہیں وہ کیا ثابت کرتے ہیں؟ کیا یہ علم کائنات کو اتفاقیہ ثابت کرتا ہے یا اس کائنات کو بنانے اور چلانے والے ایک خالق کا ہونا ثابت کرتا ہے؟

کشش ثقل وہ طاقت ہے جس نے کائنات کے نظام کو قائم رکھا ہوا ہے، نیوٹن کے مطابق یہ کشش ثقل ہی ہے جو سیب کو سطح زمین پر گراتی ہے اور اسی قوت نے ستاروں، کہکشاؤں اور سیاروں کو اس طرح قابو کر رکھا ہے کہ وہ اپنے مدار میں حرکت کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر موجودہ کشش ثقل کی قوت سے ذرا سی بھی زیادہ قوت کشش ہوتی تو کہکشاؤں میں چھوٹے سے چھوٹا ستارہ بھی ہمارے سورج سے ڈیڑھ گنا بڑا ہوتا اور ان کا کوئی بھی سیارہ نہ بن پاتا، اور یہ ستارے کسی بھی وقت بغیر کسی پیشگوئی کے جل کر کہکشاؤں کے وجود کو ختم کر دیتے۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ سب سیارے اور اجرام فلکی تباہ ہو کر بلیک ہول میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ اگر کوئی بچ بھی جاتا تو وہاں زندگی کا امکان نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر موجودہ کشش ثقل میں زندگی کے آثار مطلوبہ کشش ثقل اور دوسرے لازمی اجزا نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو جاتے۔ سائنسدان اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ کائناتی نظام کو چلانے والی ایک قوت کشش ثقل مطلوبہ مقدار سے کم ہوتی تو کائنات منہدم ہو جاتی، مزید کم ہوتی تو ستاروں اور کہکشاؤں کا وجود میں آنا ناممکن تھا مگر اس بات کو شاید تکبر کی وجہ سے سائنسدانوں کی ایک جماعت تسلیم نہیں کرتی کہ مطلوبہ قوت کشش ثقل کو کائناتی نظام میں جاری کرنے اور مستحکم رکھنے والی حی القیوم ہستی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دنیا کے ہر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے چیلنج کرتا ہے کہ:

الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِی خَلقِ الرَّحمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ فَارجِعِ البَصَرَ هَل تَرٰی مِن فُطُورٍ ۔ ثُمَّ ارجِعِ البَصَرَ کَرَّتَینِ یَنقَلِبِ اِلَیكَ البَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیرٌ۔

(سورۃ الملک ایات ۳،۴)

وہی ہے جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ بنائے ہیں (اور) تو رحمٰن (خدا) کی پیدائش میں کوئی رخنہ نہیں دیکھتا۔ اور تو اپنی آنکھ کو (ادھر ادھر) پھیر کر اچھی طرح سے دیکھ لے! کیا تجھے (خدا کی مخلوق میں کسی جگہ بھی) کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نظر کو چکر دے، وہ آخر تیری طرف ناکام ہو کر لوٹ آئے گی، اور وہ تھکی ہوئی ہوگی (اور کوئی رخنہ نظر نہ آئے گا)۔

عملاً ہم ایسا ہی ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، سائنسدان بار بار تمام کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بنائے مربوط کائناتی نظام میں کوئی رخنہ بھی دکھانے سے قاصر ہیں اور ہمیشہ قاصر ہی رہیں گے، جب بھی نظر دوڑائیں گے کمال کا توازن ہی انہیں دکھائی دے گا۔

کشش ثقل کے علاوہ بھی کچھ قوتیں ہیں جو کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے بے حد اہم ہیں۔ سبھی جاندار اور بے جان چیزیں غیر منقسم ذرات (ایٹموں) کے بلاکوں سے بنتی ہیں۔ ہماری کائنات بھی انہیں ذرات یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ ایٹم کے مرکز نیوکلیس کے اندر نیوٹرون اور پروٹون ہوتے ہیں اور مرکزے کے گرد تیز رفتار الیکٹرون گھومتے ہیں۔ ایٹم کے پروٹونوں کی تعداد اشیاء کی قسم اور حجم کا تعین کرتی ہے۔ مثال کے طور پر جس چیز

میں ایک پروٹون ہو وہ ہائیڈروجن اور جس میں دو ہوں وہ ہیلیم کہلائے گی اور لوہے میں چھبیس پروٹون ہوتے ہیں۔ایٹم کے پروٹون پر مثبت برقی چارج اور الیکٹرون کا برقی چارج منفی ہوتا ہے۔ یہ مثبت اور منفی برقی چارج پروٹون اور الیکٹرون میں کشش پیدا کرتے ہیں اور یہ قوت کشش نیوکلیس کے مدار کو قائم رکھتی ہے اسے ہی سائنس کی زبان میں الیکٹرومیگنیٹ فیلڈ برقناطیسی قوت کہتے ہیں۔اگر برقناطیسی قوت ذرا سی بھی کم ہوتی تو چند الیکٹرون ہی ایٹم کے گرد طواف کرنے کو بچتے اور یہ قوت ذرا سی بھی زیادہ ہوتی تو کوئی بھی ایٹم دوسرے ایٹم سے نہ جڑتا۔نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ زندگی کی تخلیق ناممکن ہوتی۔یاد رہے کہ پروٹون اور پروٹون ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور پروٹون اور الیکٹرون ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ بڑے ایٹمی ذرات کے مرکزے میں کئی پروٹون مل کر گچھوں کی صورت میں موجود رہتے ہیں حالانکہ انہیں ایک دوسرے کو دھکے مار کر کائنات میں ایک دوسرے سے دور پھینکنا چاہیے۔ایسا کائنات کا نظام ترتیب دینے والے رب العزت نے ان پروٹونوں کو خلاف عادت باندھ کر انہیں عظیم الشان طاقت بھی عطا فرمائی ہے۔کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ہائیڈروجن کا ایک پروٹان نہ ہوتا تب بھی توازن بگڑ جاتا اور کوئی سپرنووا، ستارہ، سیارہ یہاں کہ ایٹم نہ بن سکتا تھا۔اور اگر ایٹم میں دو پروٹون ہوں وہ ہیلیم کہلائے گی۔ہائیڈروجن اور ہیلیم کی عدم موجودگی میں ثقیل عناصر اور زندگی کا تصور کائنات میں ناممکن ہوتا۔ایٹمی قوت جو ایٹمی مراکز کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتی ہے اور برقناطیسی قوت میں زبردست ہم آہنگی، توازن کے ساتھ قائم ہونے ہی کی وجہ سے کائنات پھل پھول رہی ہے۔نیوٹرون ایٹم کے مرکزے کا اہم ترین جزو ہے۔اس میں تین مزید ذرات ہوتے ہیں۔کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے جو توازن اور ہم آہنگی چاہیے تھی اس کے لیے نیوٹرون نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ قوتیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حد درجہ کی ہم آہنگی یعنی توازن عطا کر رکھا ہے، ان میں معمولی سی کمی بیشی بھی نظام کائنات کو درہم برہم کر سکتی ہے۔اور اس طرح کا زبردست، عظیم توازن پیدا کرنے والی صرف اور صرف ایک ہی حی القیوم ہستی ہے۔یہ ناممکن ہے کہ کائنات میں موجود ہر اک شے میں کامل توازن اور ہم آہنگی محض ایک اتفاق ہو۔کائنات کے ہر اک ذرے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔کوئی سائنسدان تسلیم کرے یا نہ کرے حقیقت یہی ہے کہ:

الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیعًا۔(سورۃ البقرہ۔آیت ۱۶۶)

تمام تر قوت (ہمیشہ سے) اللہ ہی کی ہے۔

کائنات میں تین سو ارب کہکشائیں ہیں اور ان کہکشاؤں میں ہماری کہکشاں ملکی وے ایک چھوٹی سی کہکشاں ہے۔اس میں ۲۵۰ ارب ستارے ہیں۔اور ان ستاروں میں ایک ہمارا سورج بھی ہے۔سورج کا خاندان ۹ سیاروں اور ان سیاروں کے ۵۴ چاندوں پر مشتمل ہے۔سورج ہماری زمین سے ۱۰۳ گنا بڑا ہے۔ ہمارا سورج ملکی وے کے باہری بازو میں ہے جس کی وجہ سے ہم ملکی وے اور کائنات کو بہت دور تک دیکھ سکتے ہیں۔اگر ہمارا سورج ہماری کہکشاں کے مرکز کے قریب ہوتا تو زمین پر زندگی ناممکن ہوتی۔سورج کا خاندان سو فیصد مکمل ہے اگر صرف مشتری اس خاندان سے نکل جائے تو زمین پر ایسی پتھروں کی بارش ہوتی جو زمین پر انسانی زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔اسی طرح ان نو سیاروں کی رفتار یا فاصلوں میں معمولی کمی بیشی بھی انہیں سورج کا ایندھن بنا دیتی۔غور کرنے پر صاف دکھائی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانی زندگی کی حفاظت اور تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف سورج بلکہ ہماری کہکشاں اور دوسری کہکشاؤں کو بھی خدمت کرنے کا کام سونپ رکھا ہے۔کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں اور ان کے چاندوں کے درمیان جو فاصلے ہیں وہ اتنے مناسب ہیں کہ ان میں کمی بیشی کائنات کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ستاروں کے درمیان فاصلے اگر موجودہ فاصلوں سے کم ہوتے یا زیادہ تو ستاروں کے درمیان قوت ثقل غیر منظم ہو جاتی اور مداروں میں گھومتے سیارے آوارہ ہو کر تباہ ہو جاتے۔کوئی بھی نظام شمسی قائم نہ رہ سکتا۔دوسرے لفظوں میں نظام کائنات تباہ ہو جاتا۔جب تک اللہ تعالیٰ جو کہ اس کائنات کا خالق ہے چاہے گا تب تک کائنات کی تمام قوتوں میں توازن قائم رہے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ الَّذِی رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیرِ عَمَدٍ تَرَونَهَا ثُمَّ استَوٰی عَلَی العَرشِ وَ سَخَّرَ الشَّمسَ وَ القَمَرَ كُلٌّ یَّجرِی لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۔

يُدَبِّرُ الاَمرَ يُفَصِّلُ الاٰيٰتِ لَعَلَّكُم بِلِقَآءِ رَبِّكُم تُوقِنُونَ -
(سورة الرعد آیت ۳)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ ہی رہے ہو (اور) پھر وہ عرش پر قائم ہوا ہے اور سورج اور چاند کو اس نے (تمہاری) خدمت پر لگا رکھا ہے (چنانچہ) ہر ایک (سیارہ) ایک معین میعاد تک (اپنی گردش کے مطابق) چل رہا ہے۔ وہ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا ہے۔ (اور) اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم (لوگ) اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھو۔''

اگر الیکٹران اور پروٹان (الیکٹران اور پروٹان ایک ایٹمی ذرے میوآن کی موت سے بنتے ہیں۔ تیز رفتار میوآن کی عمر لمبی ہوتی اور سست رفتار میوآن جلدی مرجاتے ہیں) کا چارج برابر نہ ہوتا تو تمام ایٹم ایک دوسرے کو پرے دھکیلنا شروع کردیتے اور اگر اب ایسا ہوجائے اور کائنات کے تمام ایٹم ایک دوسرے کو پرے دھکیلنے لگیں تو اس کے نہایت غیر معمولی نتائج رونما ہوں اگر ایسا ہو تو ہر جسم کا ہر ایک حصہ ذرہ ذرہ ہو کے تحلیل ہوجائے اور تمام سمندروں اور پہاڑوں اور نظم شمسی کے تمام سیاروں سمیت دنیا غائب ہوجائے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے اور ساری کائنات ایک دوسرے کو دفع کرتے ہوئے ایٹمز کے طوفان بدتمیزی کی شکل اختیار کرجائے۔

جارج گرین اسٹائن اپنی کتاب باہم مربوط کائنات میں رقمطراز ہے:

''چھوٹی چھوٹی چیزیں پتھر کے ٹکڑے اور لوگ بھی ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے ہوتے اگر یہ فرق 100 اربویں حصے کے برابر بھی ہوتا زمین اور سورج جیسے بڑے اجسام کو اپنی بقاء کے لئے ایک اربویں حصے سے بھی زیادہ کامل توازن کی ضرورت ہے پروٹون اور الیکٹرون کی نسبت Ratio کائنات میں بے حد ضروری ہے۔''

ممتاز ماہر ریاضیات وفلکیات اسٹیفن ہاکنگ کے قریبی ساتھی راجر پنروز نے تمام طبعی متغیرات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے ممکنہ امتزاجات کا حساب لگایا اور بگ بینگ کے تمام ممکنہ نتائج کو پیش نظر رکھ کر حیات کے لئے سازگار ماحول کے وجود میں آنے کے امکانات کا تخمینہ لگایا اس کے حساب کتاب کے نتیجے میں سامنے آیا کہ اس کو سمجھنے کے لئے 1 کے آگے 123 زیرو لگانا پڑیں گے اور اس کے لئے ہماری ریاضی میں کوئی اصطلاحی نام موجود ہی نہیں پنروز کا نکالا ہوا عدد ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کو ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ قرار دینا ناممکن ہے یہ عدد جو ہماری فہم کی حدوں سے کہیں اوپر ہے۔ راجر پنروز کہتے ہیں کہ ''اس سے پتہ چلتا ہے کہ خالق کائنات کا ہدف کتنا بے عیب تھا کائنات امکانیات کی رو سے ایسے عدد کے حساب سے تشکیل ہوئی جو حسابی توصیف سے ماوراء ہے۔''

سمجھنے کی بات یہ بھی ہے کہ کائنات کے تمام ایٹموں کی کل تعداد اتنی ہے جتنی ایک کے آگے 78 صفر لگانے سے بنتی ہے اور ریاضی کی زبان میں اگر ایک کے آگے 50 صفر لگ جائیں تو اتفاق والی کہانی ناممکنات میں شامل ہوجاتی ہے۔ 1 کے آگے 123 زیرو تو ایٹموں کی مجموعی تعداد سے بھی بڑا عدد بنتا ہے۔

پروفیسر فرانک ایلن جو ماہر حیاتیات کہتے ہیں کہ:۔

''زمین پر زندگی کے لیے سازگار ماحول اور بے شمار عوامل کا متقاضی تھا محض اتفاق کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میرے نزدیک لحمیات کی حادثاتی تخلیق کے لیے 10^{248} کا عرصہ درکار ہے۔''

اگر راجر پنروز اور پروفیسر فرانک ایلن کے حساب کو مدنظر رکھا جائے تو ابھی بگ بینگ کا دھماکہ ہونے میں کھرب ہا کھرب سال ابھی باقی ہیں۔ اگر بگ بینگ کھرب ہا کھرب سال پہلے ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی حسابی اعتبار سے ارتقائے حیات کا تخلیق انسانی پر منتج ہونا ناممکن ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ راجر پنروز اور فرانک ایلن ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، نہ کوئی قلم ہے اور نہ ہی اسے پکڑنے والا ہاتھ، نہ پڑھنے والی آنکھ اور نہ ہی سوچنے والا دماغ پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ اندھے خالق یعنی اتفاق نے ابھی ان کے متعلق سوچا بھی نہیں۔ مگر افسوس اس سے پہلے کہ اندھا اتفاق شعور اور ارتقاء کے متعلق سوچے کائنات میں جاری عنطراپی کا عمل اندھے خالق یعنی اتفاق سمیت ہر چیز کو نیست و نابود کرچکا ہوگا اور اس آفاقی سکوت مرگ میں اتفاق اپنی موت آپ ہی مرجائے

جائے گا۔ 10^{248} اتنی لمبی مدت ہے کہ اس سے بہت پہلے ہی عنطر اپی کا عمل تمام موجودات کو فنا کر چکا ہوگا۔ (بحوالہ الہام، عقل، علم اور سچائی)

مزید آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عنطر اپی Entropy اصطلاح کی سائنسی تعریف بیان کر دی جائے۔ عنطر اپی کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں موجود مادہ کا بہت معمولی سا حصہ توانائی کی صورت میں ضائع ہوتا رہتا ہے۔ اسے کبھی بھی دوبارہ کسی بھی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ گرمی کا بہاؤ ہمیشہ ٹھنڈک کی طرف ہوتا ہے۔ جب کائنات کی ساری حرارت ختم ہو جائے گی تو درجہ حرارت برابر ہو کر توازن پیدا ہو جائے گا اور کسی بھی طرح کا کیمیائی عمل ناممکن ہو جائے گا، کائنات پہلی حالت پر لوٹ نہ سکے گی اور یہی کائنات کی فنا کا باعث ہوگا۔ سائنسدان کائنات کی اس موت کو Heat Death کا نام دیتے ہیں۔ اب تک ضائع ہو جانے والی توانائی یا حرارت چار ڈگری کیلون ہے۔ یہ نظریہ نام نہاد سائنسدانوں کے اس دعویٰ کو کہ کائنات ازلی ابدی ہے پر سیاہی پھیر دیتا ہے۔

سان فرانسسکو یونیورسٹی کے چیئر مین پروفیسر ایڈورڈ لکھتے ہیں:۔

”زندگی جاری وساری ہے، طبعی اور کیمیائی عوامل واقع ہو رہے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ ہماری کائنات ازل سے موجود نہیں ہو سکتی ورنہ بہت پہلے ہی اس کی توانائی ختم ہو چکی ہوتی۔ اور اس کا سفر رک گیا ہوتا۔ پس بالواسطہ سائنس یہ ثابت کرتی ہے کہ کائنات کا ایک نقطہ آغاز ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ ایک حقیقت ہے کیونکہ کوئی بھی چیز از خود پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کی تخلیق ایک علت العلل اور محرک اور خالق یعنی خدا تعالیٰ کے وجود کا تقاضہ کرتی ہے۔“

مرزا طاہر احمد صاحب عنطر اپی کا واحد اور ناگریز نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”اس کائنات کا لازماً ایک خالق ہونا چاہیے، ورنہ ہم کیا کسی بھی چیز کے وجود کا کوئی جواز نہیں رہتا، خواہ یہ وجود لمحہ بھر کے لیے کیوں نہ ہو۔“

ڈاکٹر ڈاکنز اور ڈارون اندھے اتفاق والے نظریہ کی بجائے اگر وہ ہیموگلوبن کو خالق کہتے تو اندھے خالق اتفاق سے بہتر ہوتا مگر پھر بھی یہ سوال ضرور اٹھتا کہ ہیموگلوبن کو کس نے بنایا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہیموگلوبن کے ایک خلیہ کی تشکیل میں ایک بعد ۱۹۰ صفر لگتے ہیں۔ ان دونوں کے اندھے اتفاق نامی خالق کی امکانی و اتفاقی تخلیقات کے نظریہ کے پرخچے اڑاتے ہوئے برطانوی ماہر فلکیات فریڈ ہوئیل HoyleFred لکھتے ہیں:۔

”یہ امکان اسی صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے اگر ہم یہ تصور کریں کہ ایک کباڑ خانہ میں طوفان کے نتیجہ میں ایک بوئنگ ۷۴۷ ہوائی جہاز تیار ہو جائے۔“

اتفاق کو خدا قرار دینے والوں کے مقابلہ میں ایک ازلی ابدی خدا کو ماننے والے سائنسدانوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے ایک ممتاز ماہر حیاتیات پروفیسر ایڈون کونکلن Edwin Conklin لکھتے ہیں:۔

”زندگی کا حادثاتی طور پر وجود میں آ جانا ایسا ہی ہے جیسے یہ تصور کیا جائے کہ کسی چھاپہ خانہ میں دھماکہ کے بعد ایک مکمل لغت تشکیل پا جائے۔“

ایک اور ماہر حیاتیات ڈاکٹر ونچسٹر Winchester لکھتے ہیں:۔

”سائنس کے میدان میں سالہا سال کی تحقیق کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ پر میرا ایمان بجائے متزلزل ہونے کے اور بھی مضبوط اور پختہ ہو گیا ہے۔“

(بحوالہ الہام، عقل، علم اور سچائی)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات خلق کی ہے اور یہ ماننے میں کوئی بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم ایک کامل و اکمل، ہم آہنگ اور منظّم کائنات میں رہ رہے ہیں جو اتفاق اور حادثاتی عمل کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کو بے مقصد ایٹموں نے تشکیل دیا ہے اور یہ ساری کائنات اور اس کے بے مثال، بے عیب، بے جھول نظام اور اس میں موجود ہر ذی روح اور نباتات کو حیّ القیوم نے پیدا کیا ہے جو احسن الخالقین ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (سورت ص آیت ۲۸)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا محض گمان ہے جنہوں نے انکار کیا۔ پس آگ (کے عذاب) کی ہلاکت ہو ان پر جنہوں نے کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ اتفاق کو خالق سمجھنے والے سائنسدانوں کو فہم و فراست عطا فرمائے۔ آمین

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار

قسط 16

تحریر: رانا محمد حسن خاں

قائداعظم کی وفات کے فوراً بعد پاکستان میں اسلامائزیشن کا آغاز ہو گیا تھا۔ قائداعظم کی گیارہ ستمبر والی تقریر کو غائب کرنے کی کوشش کی گئی۔ قائداعظم کے افکار بھلا دیے گئے۔ اسلامی فلاحی ریاست کا تصور دھندلا گیا اور مذہبی ریاست کا خونی تصور اپنانے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ قائداعظم کی اسلامی فلاح ریاست کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس ضمن میں مشہور مورخ جناب حسن جعفر زیدی لکھتے ہیں کہ:۔

"7 تا 9 اپریل 1946ء دہلی میں زیر صدارت محمد علی جناح منعقد ہونے والے کنونشن سے جناح نے اپنی اختتامی تقریر میں کہا:

"ہم کس لئے لڑ رہے ہیں؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ یہ تھیوروکریسی کے لئے نہیں ہے نہ ہی یہ کسی تھیوکریٹک ریاست کے قیام کے لئے ہے۔ مذہب اپنی جگہ پر ہے اور مذہب ہمیں عزیز ہے۔ جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو تمام دنیوی اشیا بے وقعت ہو جاتی ہیں لیکن بعض دوسری چیزیں بے حد اہمیت کی حامل ہیں ان میں ہماری معاشرتی زندگی اور معاشی زندگی ہے اور سیاسی اقتدار حاصل کیے بغیر آپ کس طرح اپنے عقیدے اور معاشی زندگی کا تحفظ کر سکتے ہیں؟ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنی مستند انگلش اردو ڈکشنری میں تھیوکریسی کے دو مطالب دیئے ہیں (1) حکومت الٰہی جس میں وحی الٰہی کے مطابق حکومت کی جائے۔ (2) دینی حکومت مذہبی حکومت جس میں پیشوایان دین نائب الٰہی کی حیثیت سے حکومت کرتے ہیں۔ اسی طرح تھیوکریٹ کا مطلب دیا ہے کہ حکومت الٰہی یا دینی حکومت کا۔"

جناح نے بھی اپنے مفہوم میں وضاحت کرتے ہوئے معاشرتی زندگی اور سیاسی اقتدار کو دنیوی اشیا کی حیثیت سے دین سے جدا کیا ہے اور ان کی اہمیت کو واضح کیا ہے کہ ان کے بغیر عقیدے کا بھی تحفظ نہیں ہو سکتا چنانچہ جناح کے نزدیک حصول پاکستان کی جدوجہد کسی حکومت الٰہی یا مذہبی حکومت کے قیام کے لئے نہیں تھی اور نہ ہی اس میں ملاؤں کے اقتدار کی کوئی گنجائش تھی اس کا مقصد برصغیر کے دس کروڑ مسلمان عوام الناس کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کی ترقی و ترویج تھا۔ مذہبی جماعتوں کو چونکہ مسلم عوام الناس کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ انہیں جناح کے ناپاکستان میں اپنے اقتدار کا کوئی مستقبل نظر آتا تھا وہ اپنے کاروبار دین فروشی کی منڈی کے طور پر متحدہ برصغیر کو برقرار رکھنے کے حق میں تھے مسلم لیگ کے مذکورہ کنونشن کے چھ روز بعد یعنی 16 اپریل کو برصغیر کی سرکردہ مذہبی جماعتوں کے رہنماوں نے وزارتی مشن کے ساتھ ملاقات کر کے پاکستان کے خلاف اور متحدہ ہندوستان کے حق میں اپنا موقف پیش کیا ان راہنماوں میں جمیعت العلمائے ہند کے مولانا حسین احمد مدنی، آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر ظہیرالدین، آل انڈیا مجلس احرار کے صدر حسام الدین، آل پارٹیز شعبہ کانفرنس کے صدر حسین اور آل انڈیا مسلم مجلس کے صدر عبدالحمید خواجہ شامل تھے انہوں نے معمولی ردوبدل ساتھ وہی موقف اختیار کیا جو گاندھی اور کانگرس نے اختیار کر رکھا تھا۔"

(پاکستان کیسے بنا؟ از حسن جعفر زیدی و زاہد چوہدری صفحہ 301 و 302 حصہ اول)

معزز قارئین! ہندوستان اور پاکستان آزاد ہو گئے۔ ایک ملک ہندو اکثریت رکھتا تھا اور دوسرے ملک میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ان دونوں ممالک نے آزاد ہوتے ہی کیا کیا؟ پہلے ہم

ہندوستان کی آزادی پر ہندو سیاسی اور مذہبی شخصیات نے کس طرح استقبال کیا تھا؟

15 اگست 1947ء جمعہ کا دن تھا اور ہندو جوتشیوں کے نزدیک یہ بہت منحوس شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاریخ کا اعلان ہوتے ہی پورے ہندوستان کے جوتشیوں نے زائچے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ بنارس اور جنوبی ہند کے جوتشیوں نے فوری طور پر اعلان کر دیا کہ 15 اگست اتنا منحوس دن ہے کہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بہتر ہوگا کہ ہندوستان مزید ایک دن برطانوی کی عملداری میں گزار دے کلکتہ کے سوامی دیانند نے موقف اختیار کیا کہ 15 اگست برج جدی میں آرہا ہے جس کی خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ یہ مرکز گریز قوتوں یعنی بٹوارے کے رجحانات کو ہوا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے ماونٹ بیٹن کو خط لکھا کہ بھگوان کے لئے ہندوستان کو 15 اگست کو آزادی مت دیں۔ اگر آئندہ سیلاب آئے خشک سالی ہوئی، قحط پڑا اور خونریزی ہوئی تو یہ محض اس لئے ہوگا کہ ہندوستان ایک ایسی تاریخ کو آزاد ہوا کہ جو ستاروں کے نزدیک ایک منحوس دن تھا۔ ہندوستانی رہنماوں اور ماونٹ بیٹن کے لئے مسئلہ بن گیا کہ اب کیا کریں؟ بالآخر جوتشیوں کی ایک جماعت نے ہندوستانی رہنماوں کو سمجھایا کہ 15 اگست تو نئی قومی زندگی کا آغاز کرنے کے لئے بڑا منحوس دن ہے لیکن 14 اگست کو ستاروں کا ملاپ خاصا موافق ہے چنانچہ ہندوستانی راہنماوں نے ماونٹ بیٹن کو یہ درمیانی راہ تجویز کی کہ انتقال اقتدار 14 اور 15 اگست کی درمیانی رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر کر دیا جائے۔ ماونٹ بیٹن نے یہ تجویز منظور کر لی۔

اس تصفیے کے بارے میں خود ماونٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کے نام 8 اگست کو ارسال کردہ ہفتہ وار رپورٹ میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ مجھے اس بارے میں پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے انتقال اقتدار کی تاریخ کا تعین کرتے وقت جوتشیوں سے مشورہ کرنا چاہئے تھا لیکن خوش قسمتی سے اب یہ معاملہ یوں طے ہوگیا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس نصف شب سے پہلے یعنی 14 اگست کو شبھ (نیک) گھڑی کے اندر اندر ہو جائے گا جب کہ انتقال اقتدار کی رسم عین نصف شب کو ہوگی اور وہ بھی تقریبا شبھ گھڑی ہی ہوگی۔ اسی طرح کا مسئلہ نئی کابینہ کے بعض زیادہ تو ہم پرست ارکان چاہتے تھے کہ تمام کی تمام رسومات نصف شب کو در بار ہال میں انجام پا جائیں لیکن خوش قسمتی سے کابینہ کے بعض عمر رسیدہ ارکان رات 9 بجے سو جاتے ہیں۔ چنانچہ نئی کابینہ کی رسم حلف برداری کے معاملے میں اوہام پرستی پر غلبہ حاصل کر لیا اور اب نئی کابینہ کی حلف برداری کی تقریب 15 کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے منعقد ہوگی۔

14 اگست کی رات تقریب سے پہلے دو معتبر سنیاسیوں نے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نہرو کو راج سنبھالنے کے لئے تیار کیا تھا۔ انہوں نے اس کے اوپر دریائے تنجور کا مقدس پانی چھڑکا، اس کی پیشانی پر مقدس راکھ ملی، ایک پاؤں کاٹ اس کے بازوں پر رکھا اور پھر بھگوان کی مقدس چادر پتامبرم کو اس کے گرد لپیٹا گیا قدیم ہندوستان میں جب کوئی راجہ یا مہاراجہ سنگھاسن پر بیٹھتا تھا تو معتبر اور مقدس سنیاسی اس قسم کی رسوم ادا کرتے تھے۔ 14 اگست کی شام کو یہ رسم نہرو کی رہائش گاہ میں انجام دی گئیں۔

ادھر ہندوستان آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے باغ میں آگ کا الاو روشن کیا گیا تھا جس میں سینکڑوں من گھی جلایا جا رہا تھا اور برہمن مہنت اس کے گرد منتر پڑھ رہے تھے۔ وہ مرد و خواتین جو تھوڑی دیر بعد آزاد ہندوستان کے وزیر بننے والے تھے ایک قطار کی صورت میں اس آگ کے گرد پھیرے لگا رہے تھے۔ ایک برہمن ان کے اوپر متبرک پانی چھڑکتا جاتا۔ پھر وہ ایک عورت کے قریب رکتے جوان کے ماتھے پر سرخ رنگ کا تلک لگا دیتی تھی۔

ان رسومات کے بعد سیکولر ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس

منعقد ہوا اور پھر بارہ بج کر دو منٹ پر یونین جیک اتار کر ترنگا لہرایا گیا۔ اگلے روز صبح وائسرائے ہاؤس کے دربار ہال میں حلف برداری کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ماونٹ بیٹن نے آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل کا حلف اٹھایا۔

اس موقع پر کانگرسی کارکنوں نے جو نعرے بھی بلند کئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو بورژوا ماؤنٹ بیٹن کا کس قدر مرہون منت تھا۔ جے ہند، مہاتما گاندھی کی جے اور پنڈت نہرو کی جے، جیسے عام نعروں کے علاوہ یہ نعرے بھی لگائے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن کی جے اور لیڈی ماؤنٹ کی جے اور ایک سے زیادہ مرتبہ یہ نعرہ بھی لگایا گیا تھا کہ پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے۔

نام نہاد سیکولر ہندوستان کی آزادی کی تقریبات کے موقع پر توہم پرستی اور ہندو مذہبی کٹر پن کا جو مظاہرہ ہوا وہ اس کے بالکل برعکس تھا جو کراچی میں پاکستان کو اقتدار کی منتقلی کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ یہاں نہ تو کوئی مذہبی رسم ادا کی گئی اور نہ کسی مذہبی طور طریقے کا مظاہرہ کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''یہ دونوں دہلی میں ہونے والی نصف شب کی رسومات کا ذکر کر کے میرا مذاق اڑاتی رہیں کہ ایک ذمہ دار حکومت کو اتنے اہم معاملات میں جوتشیوں کے کہنے پر نہیں چلنا چاہئے''

اگلے روز 14 اگست کی صبح کو ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کیا اس کے بعد جناح اور ماؤنٹ بیٹن ایک کھلی گاڑی میں بیٹھے اور ان کا پرجوش نعروں سے استقبال کیا 13 اگست کو ماؤنٹ بیٹن کی آمد اور 14 اگست کو اس کی واپسی پر بھی ہوائی اڈے اور شہر کے درمیان راستے پر کھڑے ہزاروں لوگوں نے پرجوش استقبال کیا لیکن کسی ایک موقع پر بھی ''مولانا ماؤنٹ بیٹن زندہ باد'' کا نعرہ نہیں لگایا گیا۔ فقط ''قائد اعظم محمد علی جناح زندہ باد'' اور ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے ہی لگتے رہے۔

15 اگست کی صبح قائداعظم جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کے طور پر حلف اٹھایا حلف لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے لیا۔ حلف کی عبارت سادہ مگر پروقار تھی یہ عبارت اس سے بھی سادہ اور مختلف تھی جو برطانوی حکومت نے تجویز کی تھی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کے گورنر جنرلوں کے لئے حلف نامے کی یکساں عبارت تجویز کی تھی اس کا متن یہ تھا۔

اطاعت کا حلف ''میں حلف اٹھاتا ہوں کہ شہنشاہ معظم شاہ جارج، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا قانون کے مطابق وفادار اور سچا اطاعت گزار رہوں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما۔''

عہدے کا حلف۔ ''میں ... حلف اٹھاتا ہوں کہ میں ... کے عہدے پر احسن طریقے سے اور سچے دل سے شہنشاہ معظم شاہ جارج کی خدمت کروں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما''

پٹیل اور نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے لئے یہ عبارت من وعن منظور کر لی۔ لیکن جناح نے اس سیا تفاق نہ کیا اور اپنے لئے علیحدہ عبارت تجویز کی جس کی برطانوی حکومت نے توثیق کر دی اور 15 اگست کو انہوں نے اسی عبارت پر حلف اٹھایا اس میں متذکرہ دونوں حلف ایک ہی عبارت میں اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔ متن یہ ہے۔

''میں محمد علی جناح باضابطہ اقرار کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین کی جو کہ قانوناً نافذ ہے سچا وفادار اور اطاعت گزار رہوں گا۔ اور یہ کہ میں شہنشاہ معظم شاہ جارج، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا بطور گورنر جنرل پاکستان وفادار رہوں گا۔''

اس میں جناح نے پاکستان کے آئین سے وفاداری کو شامل کیا اور اسے اولیت دی۔ اس کے بعد شہنشاہ معظم کی وفاداری فقط ''بطور گورنر جنرل'' شامل کی مگر بطور ''محمد علی جناح'' صرف آئین کی وفاداری اور اطاعت گزاری کا عہد کیا۔ اس کے علاوہ برطانوی حکومت کے مجوزہ متن سے ایک اہم جملہ جسے جناح نے حذف کر دیا یہ تھا۔ ''پس اے خدا میری مدد فرما''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناح کاروبار حکومت میں مذہب کا عمل دخل نہیں چاہتے تھے وہ اس کے لئے آئین کی بالادستی کو اولیت دیتے تھے۔ جو اس وقت 1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ تھا۔

15 اگست کو جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ کے وزیروں کا حلف بھی اسی عبارت پر لیا اس میں فقط ''باضابطہ اقرار کرتا ہوں'' کی جگہ ''حلف اٹھاتا ہوں'' کر دیا گیا تھا۔

10 اگست کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا۔ اس میں مشرقی بنگال کے رکن اور اچھوت رہنماؤں جوگندر ناتھ منڈل کو اسمبلی کا عارضی چیئرمین منتخب کیا گیا۔ یہ شخص متحدہ ہند کی عبوری مخلوط وزارت میں مسلم لیگ کے پانچ وزیروں میں سے ایک تھا اس کے پاس محکمہ قانون کا قلمدان تھا اور جب جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ وضع کی تو اس میں اسے بطور وزیر قانون شامل کیا گیا۔

''اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان'' کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا عارضی چیئرمین اور پہلا وزیر قانون ایک ہندو اچھوت کو بنایا''۔۔۔ (باقی اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

”گیت“ بشریٰ حفیظ صاحبہ/ایڈمنٹن کینیڈا

یہ کون چھپ کر تھا آتا من میں
یہ کیوں دکھاتا تھا ایسے رستے
یہ کیوں دبے پاؤں آ کے کانوں میں
بے خواب آنکھوں میں کیوں تھا چپکے سے
یہ دور سے بانسری کی دھن پر
یہ کیوں محبت کی سیڑھیوں پر چلے تھے دونوں
یہ کیوں سجائے تھے گجرے بالوں میں
یہ کیوں اُفق پار جہاں ہیں ملتے
شفق کے رنگوں کو دیکھ کر تم نے یہ کہا تھا
یہ کیوں دکھائے تھے خواب سارے
محبتوں کے تھے اندھیرے رستے

یہ کیوں جگاتا تھا درد تن میں
کہ تھک ہی جاؤں میں چلتے چلتے
محبتوں کے تھا گیت گاتا
سپنے رنگین مجھے دکھاتا
یہ سوئے جذبے تھا کیوں جگاتا
یہ کیوں درختوں پہ نام لکھے تھے ہم نے دونوں
یہ کیوں سبز چوڑیاں تھیں باہوں میں
فلک زمین دونوں ایک لگتے
تمہارے چہرے کی لالی اس میں یہ کیوں کہا تھا
یہ کون دے گا جواب سارے
یہ کون دے گا حساب سارے

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کے لیے رحمت و شفقت‘‘

(تحریر و تحقیق امتہ الباری ناصر صاحبہ)

’’جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خدا اس کے ہاں فرشتے بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں اے گھر والو تم پر سلامتی ہو وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس بچی کی نگرانی اور پرورش کرے گا قیامت تک خدا کی مدد اس کے شامل حال رہے گی‘‘

نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ صدیوں کی تپتی ہوئی خشک زمین پر ابرِ رحمت برسنے لگا۔ پہلی بارش کی سوندھی خوشبو فضا میں پھیلی ہر طرف زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ سب سے کمزور، معتوب اور مظلوم طبقۂ اناث نے ایک مژدۂ جانفزا سنا کہ سب انسان برابر ہیں۔

’’اے لوگو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں میں سے مَردوں اور عورتوں کو بکثرت پھیلا دیا۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کے واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رِحموں (کے تقاضوں) کا بھی خیال رکھو۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔‘‘ (سورۃ النساء)

رسوم و رواج اور جھوٹی غیرت کی بھینٹ چڑھی ہوئی مظلوم عورت کو یہ زندگی بخش پیغام بہت خوشگوار لگا جیسے ایک مجسّم رحمتؐ نے اُس کے سر سے منوں مٹی ہٹا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر قعرِ مذلّت سے نکال کر اشرف المخلوقات کی مسند پر بٹھا دیا ہو۔ بے اختیار اپنے محسن نیّرِ حمت پر دُرود بھیجنے لگی۔ اسلام سے پہلے خواتین کی حالت زار کے ’درعدن‘ میں موجود یہ اشعار عکاس ہیں:۔

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن! جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دنیا میں تو آتی تھی
جب باپ کی جھوٹی غیرت کا خوں جوش میں آنے لگتا تھا
جس طرح جنا ہے سانپ کوئی یوں ماں تیری گھبراتی تھی

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُهٗ مُسْوَدًّا وَّ ھُوَ کَظِیْمٌ۔ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۔ (النحل:59تا60)

’’اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ غم سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اسے) ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس (خبر) کی تکلیف کی وجہ سے جس کی بشارت اُسے دی گئی۔ کیا وہ رسوائی کے باوجود (اللہ کے) اُس (احسان) کو روک رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ خبردار! بہت ہی بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔‘‘

نبی کریمؐ کے سامنے بچیوں پر ظلم کے واقعات بیان کیے جاتے تو آپؐ کو بہت دکھ ہوتا۔ ایک شخص نے زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹی کو گڑھے میں گاڑ دینے کا دردناک واقعہ سنایا کہ وہ ابا ابا کہتی رہ گئی مگر اُسے ترس نہ آیا اور اُسے زندہ دفن کر کے چھوڑا۔ یہ سن کر نبی کریمؐ کا دل بھر آیا اور فرمانے لگے کہ جب وہ معصوم ابا ابا کہہ رہی تھی تو تمہیں اُس پر رحم نہ آیا۔

یہ خون جگر سے پالنے والے تیرا خُون بہاتے تھے
جو نفرت تیری ذات سے تھی فطرت پر غالب آتی تھی
کیا تیری قدر و قیمت تھی؟ کچھ سوچ! تری کیا عزت تھی؟
تھا موت سے بدتر وہ جینا قسمت سے اگر بچ جاتی تھی

لڑکیوں سے نفرت کی شدت نے خونی رشتوں میں بے رحمی کی آگ بھڑکا دی تھی۔ باپ جس کے خون سے بچہ بنتا ہے ماں جو اپنی کوکھ میں دکھ اٹھا کر پالتی اور جنم دیتی ہے اس رحمی تعلق اور فطری لگاؤ کو بھلا کر جانی دشمن بن جاتے گویا عورت ذات سے نفرت نے ان کی فطرت مسخ کر دی تھی۔ معاشرے کا دباؤ کیسے کیسے غلط کام کرا دیتا ہے عورت کی کوئی قدر و قیمت اور عزت نہ تھی وہ ایک مفت کا کھلونا سمجھی جاتی تھی۔ اوّل تو اس کا زندہ رہنا ہی مشکل تھا۔ اگر کسی طرح بچ جاتی تو اس کی زندگی اتنی تکلیف دِہ ہوتی کہ اس سے مرجانا ہی بہتر ہوتا۔ موت یہی نہیں ہوتی کہ کوئی گلا

گھونٹ دے بلکہ عزتِ نفس کا کچلا جانا اور مر مر کے جینا بھی ایک طرفہ عذاب ہوتا ہے۔

عورت ہونا تھی سخت خطا ، تھے تجھ پر سارے جبر روا
گویا تو کنکر پتھر تھی احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
توہین وہ اپنی یاد تو کر! ترکہ میں بانٹی جاتی تھی
یہ جُرم نہ بخشا جاتا تھا تا مرگ سزائیں پاتی تھی

عورت کا جرم اور قصور صرف یہ تھا کہ وہ عورت ذات تھی اس پر ہر قسم کا ظلم ہوسکتا تھا۔ مردوں کی اجارہ داری کے معاشرہ میں وہ ہر طرح کی بے درد ایذا دہی کے لیے آسان نشانہ تھی۔ اس کا کوئی ہمدرد نہیں تھا وہ کسی طرح بھی رحم کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی صرف موت ہی اس کو ان اذیتوں سے نجات دلا سکتی تھی۔ عورت کو سنگریزے اور پتھر کی طرح ٹھوکروں میں رکھا جاتا جس کے کوئی احساسات اور جذبات نہ ہوں جیسے وہ کوئی مفت کا مال ہو جسے بیچا اور خریدا جا سکتا تھا ترکے میں بانٹا جاسکتا تھا۔ عورت انسان نہیں ایک چیز تھی جس کی ملکیت تبدیل ہوتی رہتی تھی مگر اس کا نصیب تبدیل نہیں ہوتا تھا۔ مرد ایک وقت میں کئی کئی شادیاں کر سکتے تھے اور جب چاہے بیوی کو طلاق دے کر گھر سے باہر پھینک سکتے تھے۔ بیوہ عورت شوہر کی وراثت میں تقسیم ہوتی تھی۔ مرد کے قریبی رشتہ دار (مثلاً بڑا سوتیلا بیٹا) عورت کے سب سے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو خود اس عورت سے شادی کر لیتے۔ ورنہ کسی اور کو دے دیتے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء باب لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا)

سیرت خاتم النبیین کے صفحہ 59 پر لکھا ہے کہ ”عورتوں میں پردے کی رسم نہ تھی بلکہ وہ کھلی پھرتی تھیں۔ تعدّد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی اور جتنی بیویاں کوئی شخص رکھنا چاہتا تھا رکھتا تھا بعض اوقات باپ کی منکوحہ پر بیٹا وارث کے طور پر قبضہ کر لیتا تھا۔ اور دو حقیقی بہنوں سے بھی ایک وقت میں شادی کر لیتے تھے مگر ان باتوں کو اشراف عرب اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ عرب میں طلاق کا عام رواج تھا اور خاوند جب چاہتا بیوی کو الگ کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کے زندہ دفن کر دینے کی رسم بھی عرب میں تھی مگر یہ رسم خاص خاص قبائل میں تھی عام نہ تھی“۔

بھیج درود اس محسن پر تُو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفےٰ ﷺ نبیوں کا سردار

عورتوں کی اس حالت پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کو بھیجا آپؐ وہ جواں مرد ہیں جنہوں نے عورتوں کو اپنے سایۂ عاطفت، مروت، محبت اور حمایت میں لے لیا۔ آپؐ نے انہیں سارے ظلموں سے نجات دلائی قرآنی ارشاد کے مطابق ان کے حقوق بتائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔(البقرۃ:229)

”اور اُن (عورتوں) کا دستور کے مطابق (مردوں پر) اتنا ہی حق ہے جتنا (مردوں کا) اُن پر ہے۔“

گویا انسانی، اخلاقی اور مذہبی حقوق میں اسے مرد کے مساوی قرار دیا۔ اس دَور جہالت میں عورت کے ساتھ نفرت اور حقارت کے جذبات زائل کر کے عزت کا مقام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنایا کہ ...

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات:14)

”بلا شبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) ہمیشہ باخبر ہے۔“

اور تقویٰ حاصل کرنے کی راہیں دونوں اصناف کے لیے برابر کھلی ہیں۔

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ۔(ال عمران:196)

”میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ہرگز ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔“ جب اللہ کی خوشنودی بلا تخصیص ہے تو دوسری باتوں میں فرق کیوں ہو۔

ہمارے آقا و مولا ﷺ نے اپنے عمل سے عورت کی قدر کرنے کی تلقین فرمائی۔ فرمایا فرمایا کہ بالعموم عورتیں مرد کے مقابل پر ذہنی صلاحیتوں میں نقص کے باوجود ایسی استعدادیں رکھتی ہیں کہ مردوں پر غالب آجاتی ہیں۔ شادی کے لیے کسی خاتون کو ترجیح دینا اس کے خاندان اس کے مال اس کے حُسن کو نہیں اس کے ذاتی تقویٰ اور دینداری کو قرار دیا۔ تعلیم نے عورتوں میں جرأتِ اظہار پیدا کی اب وہ گونگی نہ تھیں زبان مل گئی تھی۔ اس تبدیلی کو حضرت عمر فاروقؓ نے اس طرح محسوس کیا ”خدا کی قسم ہم جاہلیت میں عورت کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کے بارے میں قرآن شریف میں احکام نازل فرمائے اور وراثت میں بھی ان کو حقدار بنا دیا۔ ایک دن میں اپنے کسی معاملہ میں سوچ رہا تھا کہ میری بیوی بولی اگر آپ اس طرح کر لیتے تو ٹھیک ہوتا۔ مَیں نے کہا تمہیں میرے معاملہ میں دخل اندازی کی جرأت کیوں ہوئی؟ وہ کہنے لگی تم چاہتے ہو کہ تمہارے آگے کوئی نہ بولے اور تمہاری بیٹی رسول اللہ کے آگے بولتی ہے۔“ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ التحریم باب 386)

حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ فرمانا کہ آدھا دین عائشہؓ سے سیکھو۔ عورت کے **تفقہ فی العلم** پر اعتماد کا اظہار ہے۔

عورتوں کے جذبات کا آپؐ کو اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ نماز میں آپؐ کو ایک بچہ کے

رونے کی آواز آئی تو آپ نے نماز جلدی جلدی پڑھا کر ختم کر دی۔ پھر فرمایا ''ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی تھی میں نے کہا اس کی ماں کو کتنی تکلیف ہو رہی ہو گی۔ چنانچہ میں نے نماز جلدی ختم کر دی تا کہ ماں اپنے بچہ کی خبر گیری کر سکے۔'' (بخاری)

جب آپؐ ایسے سفر پر جاتے جس میں عورتیں بھی ساتھ ہوتیں تو ہمیشہ آہستگی سے چلنے کا حکم دیتے ایک دفعہ ایسے ہی موقع پر جبکہ سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اور اونٹوں کی نکیلیں اٹھالیں آپؐ نے فرمایا۔ رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرَ۔ کیا کرتے ہو عورتیں بھی ساتھ ہیں اگر تم اس طرح اونٹ دوڑاؤ گے تو شیشے چکنا چور ہو جائیں گے۔ (بخاری کتاب الادب باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب)

آپؐ نے عورتوں کے لیے قواریر آبگینے کا لفظ استعمال فرمایا جس سے عورت کی نزاکت۔ کمزوری اور زود حسی کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر آپؐ نے عورت کو پسلی سے مشابہ قرار دیا۔ یہ بھی اس کی نزاکت طبع کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا عورتوں سے زیادہ سختی کا معاملہ نہ کیا کرو اگر تم زیادہ زور دو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی سیدھی نہیں ہو سکے گی۔

ملفوظات میں لکھا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں دیکھو کہ آپ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو مطالعہ کرو تا تمہیں معلوم ہو کہ آپ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپؐ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔'' (ملفوظات جلد 4 صفحہ 44-45)

نبی کریمؐ نے عیدین کے موقع پر تمام عورتوں اور بچیوں کو اسلامی تہواروں میں شریک کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اگر کسی لڑکی کے پاس پردہ کیلئے چادر نہ ہو تو وہ کسی سے ادھار لے لے اور وہ عورتیں بھی جنہوں نے نماز نہیں پڑھنی اجتماع عید میں شامل ہو کر دعا میں ضرور شریک ہو جائیں۔ (بخاری، کتاب العیدین باب 20)

آپؐ نے قرآنی تعلیم کے مطابق لڑکیوں کو بھی ماں باپ کے ورثہ میں حقدار قرار دیا۔ اسی طرح ماں اور بیویاں بیٹوں اور شوہروں کے ورثہ میں اور بعض صورتوں میں بھائیوں کے ورثہ میں بہنوں کا حصہ بھی قائم کیا۔ نیز عورت کو اپنے مال کا مالک اور مختار قرار دیا۔ وہ جیسے چاہے استعمال کرے۔ خاوند عورت کی مرضی کے بغیر اس کا مال استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ عورتوں کو حصہ نہ دینا بڑا ظلم ہے مال سے محروم کرنا ایک طرح زندہ درگور کرنا ہے۔ اس طرح حاصل کیا ہوا سرمایہ حلال نہیں ہو سکتا۔ اپنی ہی نسل اپنے ہی خون پر زیادتی کرنا اور اسے کمتر ذلیل سمجھ کر حق سے محروم کرنا، جائز حق ادا کرنے کی بجائے فرضی معافیاں فرضی ادائیگیاں تقویٰ اور دیانت کے خلاف ہیں، نفس کے بہانے ہیں۔

یتیم بچیوں کے حقوق کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ بعض دفعہ ایسی مالدار یتیم لڑکیوں کے ولی ان کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے خود ان سے شادی کر لیتے تھے اور حق مہر بھی اپنی مرضی کے مطابق معمولی رکھتے تھے۔ قرآن شریف میں ان بدرسوم سے بھی روکا گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ یتیم بچیوں سے انصاف کا معاملہ کرو۔

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا (الکھف:47)

''مال اور لڑکے (جن کی خاطر تم لڑکیوں کا حق مارتے ہو) محض اس ورلی زندگی کی عارضی زینت ہیں لیکن قائم اور دائم رہنے والی نیکی وہ ہے جو خدا کے حضور ثواب کا موجب اور اگلے جہان کی اُمید گاہ ہو۔

ورثہ کا حق دراصل کئی حقوق کا مجموعہ ہے جو عورت کے معاملات میں انصاف کا درس دیتا ہے۔''

اسلام کی تعلیم کے مطابق والدین کو ولی کی حیثیت سے لڑکیوں کے لیے مناسب ہم پلّہ رشتے تلاش کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ نکاح میں لڑکی کی رضامندی ضروری قرار دی۔ آپ ﷺ نے خود ایک ایسی لڑکی کو، جس کے والدین نے اُس کی رضا کے برخلاف نکاح کر دیا تھا، حق دیا کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو منسوخ کروا دے۔ نیز ظالم، ناکارہ، ناپسندیدہ شوہر کے مقابلے میں عورت کو خلع اور فسخِ نکاح کے وسیع اختیارات دیے۔ بیوہ اور مطلقہ عورت کو نکاح کا حق دیا اور فرمایا کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کے متعلق ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔ (بخاری کتاب النکاح)

خاوند کی وفات کے بعد عدّت گزارنے کا طریق آسان بنایا جو پہلے بہت ظالمانہ اور رُسوا کُن تھا۔ اسے ایک سال تک بدترین لباس پہنا کر گھر سے الگ تھلگ ویران حصہ میں رہنا پڑتا۔ عورت کے کردار پر بہتان لگانے والے کی سزا مقرر کی۔

آنحضورؐ کے زمانے میں تلوار سے جہاد ہو رہا تھا اس کے ثواب کی حرص میں عورتوں کا بھی دل چاہتا تھا۔ کہ مردوں کی طرح وہ بھی ثواب حاصل کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مردوں کے گھر سے جانے کے بعد گھر اور بچے سنبھالنے کا ثواب بھی جہاد جتنا ہے۔ آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو نمازِ جمعہ پڑھنے سے مستثنیٰ کر دیا۔ آپؐ کا

ارشاد ہے کہ ’’غلام اور عورت اور بچہ اور مریض یہ سب مجبوری کے زُمرہ میں آتے ہیں۔‘‘ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ حدیث 1067)

یہ استثناء ان کی سہولت کے لیے دیا گیا ہے تا کہ اس بات کا عورتوں کو قلق نہ رہے کہ وہ مردوں سے پیچھے رہ گئیں۔عورتوں پر مسجد جا کر نماز باجماعت فرض نہیں ہے۔اگر چہ بالکل منع بھی نہیں کیا گیا۔اسلام سے پہلے عورت کی ناقدری اور ذلت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اپنے مخصوص ایام میں اسے سب گھر والوں سے جدا رہنا پڑتا تھا۔خاوند کے ساتھ بیٹھنا تو در کنار اہل خانہ بھی اس سے میل جول نہ رکھتے تھے۔آپؐ نے معاشرتی برائی کو دور کیا۔حیض ایک تکلیف دہ عارضہ ہے ان ایاّم میں صرف ازدواجی تعلقات کی ممانعت ہے عام معاشرت ہرگز منع نہیں۔

(سورۃ البقرۃ:223)

آپ ﷺ بیویوں کے مخصوص ایام میں ان کا زیادہ خیال رکھتے۔ان کے ساتھ مل بیٹھتے۔بستر میں ان کے ساتھ آرام فرماتے اور ملاطفت میں کوئی کمی نہ آنے دیتے۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی مواکلۃ الحائض)

اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورت کو سزا دینے کی اجازت ہے۔اگر چہ یہ اجازت بھی گھروں کا امن قائم رکھنے کے لیے تھی جو کچھ شرائط کے ساتھ اجازت دی،مگر اس خیال سے کہ اس رخصت کا غلط استعمال نہ ہو اس سے بھی منع فرمایا لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ۔عورتیں تو اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں،ان پر دست درازی نہ کیا کرو۔عورتوں پر سختی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ لَیْسَ اُولٰٓئِکَ بِخِیَارِکُمْ۔یعنی یہ لوگ تمہارے اچھے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی ضرب النساء)

آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:۔

’’دیکھو میں تمہیں عورتوں کے حقوق کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں کہ یہ بیچاریاں تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہی تو ہوتی ہیں۔تمہیں ان پر سخت روی کا صرف اسی صورت میں اختیار ہے کہ اگر وہ کسی بے حیائی کی مرتکب ہوں تو تم اپنے بستروں میں ان سے جدائی اختیار کر سکتے ہو یا اس سے اگلے قدم کے طور پر انہیں کچھ سرزنش کرتے ہوئے سزا بھی دے سکتے ہو مگر سزا بھی ایسی جس کا جسم کے اوپر کوئی نشان یا اثر نہ پیدا ہو۔اگر وہ اطاعت کرلیں تو پھر ان کیلیے کوئی اور طریق اختیار کرنا مناسب نہیں۔‘‘

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

’’یاد رکھو جس طرح تمہاری عورتوں کے اوپر کچھ حقوق ہیں۔اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ حق ہیں جو تم پر عائد ہوتے ہیں۔تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی ہوں اور تمہاری مرضی کے سوا کسی کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ لباس میں،پوشاک میں اور کھانے پینے میں احسان کا سلوک کرنے والے ہو اور جس حد تک توفیق اور استطاعت ہے،ان سے حسن سلوک کرو۔‘‘

(سنن الترمذی کتاب الرضاع باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا۔1083)

رسول کریم ﷺ بچوں کے لیے بھی بارانِ رحمت ہیں۔اس زمانہ میں بچوں کو اخراجات اور ذمہ داریوں میں اضافے کے خوف سے پسند نہیں کیا جاتا تھا حتّٰی کہ بعض قبائل میں لڑکیوں کو تو زندہ ہی دفن کر دیا جاتا۔آپؐ نے قرآنی ارشاد کے مطابق قتل اولاد سے منع فرمایا۔اولاد کو اللہ کی رحمت اور جنت کی نوید قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اور اپنی اولاد کو کنگال ہونے کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ہم ہی ہیں جو انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ان کو قتل کرنا یقیناً بہت بڑی خطا ہے۔

(بنی اسرائیل:آیت 32)

آپؐ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو یہ عہد بھی لیتے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔پھر شادی کے وقت جوڑے کے انتخاب میں تقویٰ کو بنیادی شرط بتا کر اگلی نسلوں کو محفوظ کیا۔میاں بیوی کو ملتے وقت نیک نصیب اولاد کے لیے دعائیں سکھائیں۔پیدائش کے بعد بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کا ارشاد فرمایا (الجامع الصغیر جلد 2 صفحہ 182) تا کہ پہلا نقش بچے کے ذہن پر توحید کا لگے۔اذان شیطان کو دھتکار دیتی ہے۔پھر فرمایا بچے کا اچھا نام رکھا جائے اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے اس کا عقیقہ کیا جائے۔

(مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن عامرؓ جلد 3 صفحہ 447 مطبوعہ بیروت)

بیٹیوں کی اچھی تربیت و پرورش پر ثواب اور جنت میں اپنے قرب کی بشارتیں دیں۔ (ترمذی ابواب البر والصلہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عمران خان بتائیں اب کیسے پار اترنا ہے؟

(کالم نگار: سید سردار احمد پیرزادہ)

تھوڑا عرصہ پہلے کی ریل گاڑی کے سفر کا منظر ذہن میں لاتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ریل کسی چھوٹے قصبے کے سٹیشن پر رک جاتی۔ کچھ مسافر ریل گاڑی سے اتر کر پلیٹ فارم پر چہل قدمی شروع کردیتے۔ اِکا دُکا خوانچے والے آوازیں لگا کر اپنی چیزیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے۔ پکوڑے والے کے مٹی کے تیل کے چولہے کا دھواں پکوڑوں کی خوشبو سے زیادہ پھیل جاتا۔ ریل کے سٹارٹ انجن کا شور مسلسل جاری رہتا۔ ریل کے ڈبوں کے اندر بچوں کی دھماچوکڑی کچھ کے لیے رونق اور کچھ کے لیے زحمت کا باعث ہوتی۔ خواتین قریب بیٹھی خواتین سے راہ و رسم بڑھانے لگتیں۔ گرمیوں کا موسم ہوتا تو کچھ لوگ اخبار یا ہاتھ کے پنکھوں سے اپنے منہ پر ہوا مارنے لگتے۔ یہ ماحول کچھ دیر برقرار رہتا پھر اِس میں اِس طرح تبدیلی آتی کہ پلیٹ فارم پر ٹہلتے مسافر واپس ریل گاڑی کے اندر آنے لگتے۔ کچھ شرارتی بچے دروازوں سے پلیٹ فارم پر اتر جاتے اور کھڑکی کے ساتھ بیٹھی اپنی ماؤں بہنوں کو آوازیں دیتے اور اُن سے ڈانٹ پڑنے پر دوبارہ ریل گاڑی کے اندر آجاتے۔ مسلسل آنے والی خوانچہ فروشوں کی آوازیں اب وقفے وقفے سے آنے لگتیں۔ پکوڑے والے کے چولہے کے تیل کا دھواں ٹھنڈا ہوکر اپنی بو کھو دیتا۔ اِس سب کے بعد بھی ریل وہیں کھڑی رہتی اور سٹارٹ انجن کا شور مسلسل آتا رہتا۔ پھر مسافروں میں گاڑی کے رکے رہنے کی وجوہات پر گفتگو شروع ہوجاتی۔ کوئی کہتا دوسری گاڑی کا کراس ہے، کوئی بولتا گاڑی کا انجن تبدیل ہوگا، بعض کے خیال میں گاڑی کے نہ چلنے کی وجہ کسی وی آئی پی مسافر کا انتظار ہوتا۔ غرض یہ کہ جتنے منہ اُتنی باتیں۔

ریل گاڑی کے رُکے رہنے اور اُس کے نہ چلنے کی وجوہات کا معلوم نہ ہونا مسافروں میں اضطرابی کیفیت پیدا کرنا شروع کردیتا لیکن ابھی مسافروں کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہوا ہوتا۔ اسی لیے کچھ سنجیدہ مسافر دوبارہ پلیٹ فارم پر نکل آتے اور ٹی سٹال یا بک سٹال کی طرف چلے جاتے۔ کچھ بزرگ سٹیشن کے نل سے وضو کرنے لگتے۔ بھاگتے دوڑتے بچے ایک جگہ کھڑے ہو جاتے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے۔ خواتین کی آوازوں میں بھی بیزاری سی محسوس ہونے لگتی۔ یعنی اِن مسافروں کا جوش وخروش بوریت میں تبدیل ہونے لگتا اور اِس سٹیشن پر ریل کے رکنے کے بعد مسافروں نے جو دیہاتی سٹیشن سے لطف اندوز ہونا شروع کیا تھا وہ آہستہ آہستہ اکتاہٹ میں بدلنے لگتا۔ گویا ریل کا انجن سٹارٹ ہو، عملہ موجود ہو، مسافر بیٹھے ہوں اور ریل ایک ہی جگہ پر دیر تک رکی رہے تو لوگوں میں بے چینی پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے کیونکہ آگے بڑھنے کا عمل رکا ہوتا ہے۔ تحریک انصاف کی حکومت کو آئے تین سال ہوگئے۔ اُن کے سفر کے آغاز کے موقع پر انہی کے ووٹروں میں جو جوش وخروش تھا وہ اب کسی دیہاتی سٹیشن پر دیر تک رکی رہنے والی ریل کی طرح کم ہوچکا ہے۔ وہ ووٹر جو پی ٹی آئی کے لیے چیخ چیخ کر بولتے تھے اب دھیمی آواز میں کہتے ہیں کہ تبدیلی میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ اُن کا اونچی آواز سے کم آواز کی طرف آجانا پی ٹی آئی سے کچھ قدم دور ہوجانا ہے۔ تحریک انصاف کی قیادت نے اپنے حکومتی سفر کا آغاز جن نعروں سے کیا تھا وہ نعرے دیہاتی سٹیشن پر رکی ریل کے سٹارٹ انجن کی طرح شور تو کررہے ہیں لیکن انجن ریل کو لے کر آگے نہیں بڑھ رہا۔ انتخابات سے پہلے کی وہ پی ٹی آئی جو آئی ایم ایف سے قرضہ لینے پر خودکشی کو ترجیح دیتی تھی، پھر وہ وقت بھی آیا کہ اُسی پارٹی کے سربراہ عمران خان وزیراعظم بننے کے بعد آئی ایم ایف کے سربراہ سے مل کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ پرانے پاکستانی جو امریکہ اور دوسرے ممالک کی پالیسیوں کی فرمانبرداری سے بیزار تھے، وہ تحریک انصاف کے ہاتھوں انہی ممالک کی خوشامد دیکھ کر سناٹے میں چلے گئے۔ وہ تحریک انصاف جو انتخابی مہم میں حکومت میں آنے کے بعد چند دنوں کے اندر لوٹی ہوئی

کھربوں ڈالر کی رقم واپس لانے کا دعویٰ کر رہی تھی، تین سال میں ایک روپیہ بھی واپس نہیں لاسکی۔ وہ تحریک انصاف جو ملک کو شیشے کا محل بنانے کا دعویٰ کر رہی تھی، ٹوٹ جانے والی سڑکوں کی مرمت کے لیے چند ہزار روپے بھی نہیں نکال سکی۔ وہ پارٹی جو حکومت میں آنے کے بعد کرپشن کے تمام دروازے ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی قسم کھاتی تھی، کرپشن کے خلاف اب تک کوئی موثر قانون سازی بھی نہ کرسکی۔ اِن حقائق کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا تحریک انصاف کو صرف مہمانِ خصوصی کی کرسی پر ہی بیٹھنا تھا؟ انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک ہی جگہ رکی ہوئی ریل کے مسافر آہستہ آہستہ بیزار ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر فساد کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ سٹارٹ انجن کا شور مسافروں کو مطمئن نہیں کرسکتا جب تک ریل آگے نہ بڑھے۔ اس کا تازہ ترین ثبوت کنٹونمنٹ بورڈ انتخابات کے دوران پنجاب میں پی ٹی آئی کی بدترین شکست ہے۔ بیشک کنٹونمنٹ بورڈ انتخابات کے اجتماعی ملکی نتائج میں پی ٹی آئی عددی اعتبار سے چند زیادہ سیٹیں لے کر پہلے نمبر پر آئی ہے لیکن صرف چار نشستیں پیچھے رہنے والی ن لیگ ووٹروں کی رائے کے اعتبار سے بہت بہتر رہی ہے۔ اس لیے کنٹونمنٹ بورڈ انتخابات کے بارے میں پی ٹی آئی کی عددی جیت کے باوجود یہ تجزیہ درست ہوگا کہ ان انتخابات میں پی ٹی آئی کو شکست ہوئی ہے اور ن لیگ جیت گئی ہے۔ فیض احمد فیض نے لکھا تھا:۔

اب کیسے پار اُترنا ہے؟

جب دکھ کی ندیا میں ہم نے ، جیون کی ناؤ ڈالی تھی
تھا کتنا کس بل بانہوں میں ، لوہو میں کتنی لالی تھی
یوں لگتا تھا دو ہاتھ لگے ، اور ناؤ پورم پار لگی
ایسا نہ ہوا، ہر دھارے میں کچھ ان دیکھی منجدھاریں تھیں
کچھ مانجھی تھے انجان بہت ، کچھ بے پرکھی پتواریں تھیں
اب جو بھی چاہو چھان کرو ، اب جتنے چاہو دوش دھرو
ندیا تو وہی ہے ناؤ وہی ، اب تم ہی کہو کیا کرنا ہے
اب کیسے پار اترنا ہے

”حادثہ ایک دم نہیں ہوتا“

جناب عمر شیخ سابقہ سی پی او لاہور مینار پاکستان میں پیش آنے والے بدترین واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”مینار پاکستان کے دل خراش واقعہ کے ذمہ دار صرف وہ چار سو نوجوان نہیں بلکہ ہر طبقہ سوسائٹی ہے کہ جس نے گذشتہ چند دہائیوں میں معاشرے کو بدترین زوال کا شکار بنا دیا ہے۔ اشرافیہ نے Above the Law رہتے ہوئے، سکیورٹی اداروں نے untouchable کا درجہ اختیار کرتے ہوئے، عدلیہ نے compromise کرتے ہوئے وُکلا نے عدالتوں پر دھاوا بولتے ہوئے، پولیس اور بیوروکریسی نے سیاستدانوں کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے، میڈیا ہاوسز نے دلالی کرتے ہوئے، اینکرز اور نیوز رپورٹرز نے بلیک میلنگ کرتے ہوئے، اساتذہ نے تعلیم بیچتے ہوئے، اب ہم میں سے کُچھ اُس بیٹی کو اور باقی اوباش لڑکوں اور پولیس کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے خود کو دودھ کے دُھلے ثابت کر رہے ہیں۔

جب شہباز شریف اپنی شادی شدہ سیکرٹری کو ورغلا کر اُس سے شادی کرلے تو ٹھیک، جب حمزہ شہباز اپنی لو میرج سے انکار کر کے اپنی منکوحہ پہ پرچے کٹوا دے تو ٹھیک، جب قومی احتساب بیورو کا چیئرمین اپنی ملزمہ کو سر تا پاؤں چومنے کی خواہش کا برملا اظہار کر کے بھی اپنی پوزیشن پر برقرار رکھے تو ٹھیک، جب یوسف رضا گیلانی، رحمان ملک اور مخدوم شہاب الدین جیسے حکومتی زُعما سنتھیا رچی امریکن خاتون پر جنسی حملے کرنے سے نہ چُوکیں اور الزام بھی اُسی پر لگایا جائے تو ٹھیک، جب قاضی فائز عیسیٰ جج ہونے کے بل بوتے پہ اپنی منی ٹریل دینے سے انکار کر دے تو ٹھیک، جب ہمارے جرنیلوں کے بھائی نامعلوم دولت سے جزیرے خریدیں اور درجنوں غیر ملکی بزنس کمپنیاں کھولیں تو ٹھیک، جب فواد حسن فواد، احد چیمہ، طاہر خورشید جیسے بیوروکریٹس دولت اور جائیدادوں کے انبار لگائیں تو ٹھیک، جب حالیہ ای الیون اسلام آباد سیلاب کے بعد پتہ چلے کہ ہمارے نہایت ایمان دار افسروں افضل شگری، ذوالفقار چیمہ، شاہد خان جیسوں نے اس بہتی گنگا میں جی بھر کے ہاتھ دھوئے ہیں تو ٹھیک، جب ہمارے مشہور عالم دین شراب کے نشے میں دُھت ٹی وی پر اسلام کا درس دیں تو اُس معاشرے کو اخلاقی سبق آپ کیسے سکھا سکتے ہیں؟ قانون کی حُکمرانی اور یکساں احتساب ہی کسی بھی معاشرے کو سیدھا رکھ سکتے ہیں۔ پاکستان اب ایک جنگلی معاشرہ بن چکا ہے جہاں اب صرف جتھوں کی صورت میں ہی زندہ رہا جاسکتا ہے ورنہ کسی بھی عام آدمی کی نہ تو عزت محفوظ ہے اور نہ ہی کسی کو پرواہ ہے۔“

گوجرہ میں پھانسی کا آنکھوں دیکھا حال!

تحریر: جسٹس (ریٹائرڈ) اعجاز بٹر صاحب

قارئین کرام! آج راقم آپ سے قاتلوں کے عبرت ناک انجام پھانسی کا آنکھوں دیکھا حال شیئر کرنا چاہتا ہے۔ پھانسی کا لرزہ خیز منظر بیان کرنے۔ سے پہلے واقعات مقدمہ مختصراً یوں ہیں کہ گوجرہ کے ایک متول تحصیلدار نور الٰہی نے اپنے مکان کی مرمت کے لئے مستری لگا رکھے تھے۔ اس گھر میں دولت کی ریل پیل دیکھ کر مستری لالچ میں آ گئے اور ڈکیتی کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ چنانچہ ایک دن وہ نقاب پوش ڈاکوؤں کے روپ میں ڈکیتی کرنے آ گئے۔ ان میں سے ایک ملزم نگرانی کے لئے چھت پر بیٹھ گیا جب کہ باقی دونوں لوٹ مار کرنے میں لگ گئے۔ دوران ڈکیتی جب خاتون خانہ نے اپنے زیورات اتارنے پر مزاحمت کی تو چھینا جھپٹی میں ایک ڈاکو کا نقاب اترنے پر وہ بول اٹھی بروٹس تم۔ پھر کیا تھا ڈاکوؤں نے گرفتاری کے خوف سے ساس و بہو دونوں کو خنجر کے وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جب کہ معصوم بچے خوف کے مارے بیڈ کے نیچے چھپ گئے۔ ملزمان گرفتار ہوئے تو عدالت دہشت گردی سرگودھا کے جج چوہدری جاوید اقبال نے انہیں دوہرے قتل کے ارتکاب پر سزائے موت سنائی لیکن اپیل میں فاضل ہائیکورٹ نے نگرانی پر مامور ملزم کی سزا عمر قید میں تبدیل کرتے ہوئے باقی دونوں ملزموں کی سزا موت بحال رکھی۔ جس کے خلاف آنریبل سپریم کورٹ نے ان کی اپیلیں خارج کر دی۔ ملزمان کی سزائے موت بحال رہنے پر سیشن جج صاحب ٹوبہ کی طرف سے سزائے موت پر عمل درآمد کے لئے علاقہ مجسٹریٹ گوجرہ جناب شہباز اقبال تارڑ کو بلیک وارنٹ موصول ہوئے تو وہ راقم سے پوچھنے آئے کہ اگر آپ نے execution کرائی ہو تو مجھے بریف کر دیں۔ لیکن راقم کو ایسا کوئی تجربہ نہ تھا۔ چنانچہ ڈیوٹی مجسٹریٹ کی معاونت اور اپنے ذاتی مشاہدہ کے لئے جھنگ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کوکب صاحب سے execution برائے عبرت دیکھنے کی اجازت چاہیے جس پر موصوف نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ پھانسی سے ایک دن پہلے ہم جھنگ کے معروف شاعر دوست جناب صفدر سلیم سیال کے مہمان بنے۔ لیکن خوف کے مارے ہم چین سے نہ سو سکے کہ صبح دو لوگوں کو اذیت کی موت مرتے دیکھنا ہے۔ اگلی صبح نماز فجر کے بعد ہم جھنگ جیل پہنچے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے اعزازا بڑا گیٹ کھلوا کے ہمیں ریسیو کیا اور جیل سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں لے گئے۔ جب مدعی سے پوچھا گیا کہ آیا وہ ملزمان کو معاف کرنا چاہتا ہے؟ جس سے اس نے انکار کیا۔ اس سے مزید پوچھا کہ کیا وہ ملزمان کو پھانسی چڑھتے دیکھنا چاہتا ہے؟ مدعی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اسے انصاف مل گیا ہے۔ جس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سب کی نظریں آفس ٹیلیفون پر جمی رہیں کہ ممکن ہے کہ پھانسی روکنے کے بارے مجاز اتھارٹی سے حکم سٹے آ جائے لیکن ملزمان کی زندگی کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ پھر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل ہمیں پھانسی کے منتظر ملزموں کے پاس لے گئے جو سلاخوں کے پیچھے سیاہ لباس میں ملبوس کھڑے تھے اور دونوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ملزمان نے ڈیوٹی مجسٹریٹ کے سوالوں کے فر فر جواب دیئے کیونکہ اب انکار کی گنجائش کہاں تھی۔ ملزموں نے وصیت کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے بیان حلفی پہلے ہی جمع کرا چکے ہیں جو وصیت کے طور پر ان کے

گنجائش کہاں تھی۔ملزموں نے وصیت کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے بیان حلفی پہلے ہی جمع کرا چکے ہیں جو وصیت کے طور پر انکے ورثاء تک پہنچا دیے جائیں تا کہ وہ ان کے بیوی بچوں کا خیال رکھیں۔جب موت سر پر منڈلائے اور یادوں کی فلم چلنے لگے تو انسان کو پہلے اپنے بیوی بچے ہی یاد آتے ہیں۔جب ڈیوٹی مجسٹریٹ ملزموں سے سوال و جواب کر چکے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے ہمیں پھانسی گھاٹ کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کی آفر کی جہاں جیل کے سپرنٹنڈنٹ اور ڈاکٹر صاحبان پہلے سے موجود تھے۔پھر کیا دیکھا کہ جیل کا اسٹاف ملزموں کو سہارا دے کر پھانسی گھاٹ کی طرف یوں لا رہا ہے جیسے قصائی بکرا ذبح کرنے کیلئے لے جا رہا ہو۔جونہی ملزمان تختۂ دار پر کھڑے ہوئے جلاد نے پھانسی دینے کی تیاری شروع کر دی۔وہ بھاگم بھاگ کام کر رہا تھا اور شائد خوش بھی تھا کہ آج اسے دو پھانسیوں کا معاوضہ ملے گا۔ایک طرف جلاد ملزموں کو سفر آخرت پر روانہ کرنے میں مصروف تھا اور دوسری طرف ملزم جیل کے عملہ سے آنکھوں آنکھوں میں علیک سلیک کر رہے تھے کیونکہ اب وہ موت کو دل و جان سے قبول کرنے پر بظاہر مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔جب ضروری اسٹیپ لینے کے بعد جلاد نے ملزمان کے چہرے نقاب hoods سے ڈھانپ دیئے تو ان کے لئے دنیا اندھیر ہو گئی۔جونہی راقم نے پھانسی کا مقررہ وقت پورا ہونے کا ہاتھ سے اشارہ کیا جلاد نے لیور کھینچ دیا جس کے ساتھ ہی ملزموں کے پاؤں کے نیچے سے تختہ کھلتے ہی ان کے جسم پھانسی گھاٹ پر جھولنے لگے۔آج بھی جب راقم کو پھانسی کا روح فرسا منظر یاد آتا ہے وہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔بجا ہے کہ پھانسی کی سزا بظاہر ایک ظالمانہ فعل معلوم ہوتا ہے لیکن جب قاتل کو چھوڑ دیا جائے تو مدعی فریق کے زخم پھر سے تازہ ہو جاتے ہیں نیز یہ رویہ جرائم میں اضافہ کا باعث بھی بنتا ہے۔یاد رہے کہ مدعی نے ملزموں کی طرف سے بیس لاکھ زرِ صلح دیت کی آفر یہ کہہ کے ٹھکرا دی کہ انہوں نے اسکی عزیز از جان مال چھینی ہے لہٰذا ان کی طرف سے کسی بھی زر بدل پر وہ خاک ڈالتا ہے۔

''ختم نبوت سے انکار، قرآن سے تصادم اور آئین پاکستان سے بغاوت''

حضرت سیّدہ فاطمہؓ کو ''اُم الانبیاء یعنی انبیاء کی ماں'' کہنا واضح طور پر انکارِ ختم نبوت اور کلمہ کفر ہے۔جبکہ رسول اکرمؐ کے خاتم النبیّین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کی ولادت نہیں ہو سکتی۔جو شخص رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی ایک نبی کی ولادت کو جائز سمجھے وہ کافر اور ختم نبوت کا منکر ہوتا ہے۔جو شخص حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ''اُم الانبیاء یعنی انبیاء کی ماں'' کہہ رہا ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ایک نہیں بلکہ کئی انبیاء کی ولادت کا صرف تصور ہی پیش نہیں کر رہا بلکہ نفس الامر اور واقع میں تاجدارِ ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کئی انبیاء کی ولادت کو تسلیم کر رہا ہے۔قادیانی کافر ہے اس لیے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ایک شخص کو نبی مانتا ہے اور جو شخص رسول اکرم ﷺ کے بعد 12 انبیاء مان رہا ہے وہ کتنا بڑا کافر ہو گا۔یہ لفظ سندھ اسمبلی میں ناصر حسین شاہ نامی وزیر نے بولے جو کہ ریکارڈ پر موجود ہیں۔یہ لفظ غیر ارادی طور پر اور سبقت لسانی سے نہیں بولے گئے، بلکہ پہلے یہ لفظ لکھے گئے، پھر کمپوز کیے گئے، پھر اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے بھی پڑھے گئے، پھر اسمبلی میں پیش کیے گئے اور صرف عربی الفاظ ہی نہیں بلکہ اردو میں اس کا ترجمہ بھی پیش کر رہا ہے۔ایک فرقہ جو اماموں کو معصوم یعنی مبہم لفظوں میں منصبِ نبوت پر فائز مانتا ہے۔اس نظریے پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہیں بارہ اماموں کی عظیم ماں ہونے کی وجہ سے اُم الائمۃ کہا جاتا ہے، اس فرقے کے مطابق حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لقب اُم الائمۃ کی جگہ ارادی طور پر اُم الانبیاء یعنی انبیاء کی ماں کے الفاظ بولے گئے ہیں۔یہ الفاظ ختم نبوت سے انکار، قرآن سے تصادم اور آئین پاکستان سے بغاوت ہے۔نیز اسلام کے خلاف قادیانیت سے ایک بڑے فتنے کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے جن کو قادیانیوں کا نہایت ہی خطرناک اور شریر ٹولہ اپنی دلیل کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔چنانچہ اس نہایت ہی حساس مسئلے پر حکومت اور ادارے فوری ایکشن لیں۔یہ الفاظ سندھ اسمبلی کی کاروائی سے حذف کروائے جائیں۔ان الفاظ کا قائل ناصر حسین شاہ نامی شخص اعلانیہ توبہ کرے اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور تمام امت مسلمہ سے معافی مانگے اور تجدید ایمان بھی کرے اور تجدید نکاح بھی کرے۔، نیز جن ارکان اسمبلی نے اس قرارداد پر دستخط کیے یا وہاں بیٹھ کر حمایت کی ان کلمات کفریہ کی وجہ سے سب پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔(بیان از سربراہ تحریک صراط مستقیم مولانا اشرف جلالی۔روزنامہ پاکستان ۱۹ جولائی ۲۰۲۱)

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

ایجادات جن کی ایجاد اتفاقیہ ہوئی!!

(رشحات قلم: زکریا ورک کینیڈا)

کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے مگر اس مضمون کو پڑھنے سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ دراصل ایجاد ضرورت کی ماں ہوتی ہے۔ یعنی ایک دفعہ ایجاد ہوگئی اور پھر اس کی ضرورت کا احساس انسان کو ہؤا۔ اس کی تازہ مثال موبائیل فون ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی سات بلین ہے اور شاید اس وقت پانچ بلین فون استعمال ہو رہے ہیں۔ جس کو دیکھو اس کے ہاتھ میں موبائیل فون ہے۔ یعنی فون ایجاد ہونے کے بعد ایسا لگتا ہے اس کے بغیر زندگی ادھوری تھی۔ سائنس اور جدید ایجادات ہماری روزمرہ زندگی میں یوں رچ بس گئے ہیں کہ ان کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہوتا جاتا ہے۔ جدید ایجادات، علاج کیلئے جدید ترین طریقہ کار نے ہماری زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ کسی چیز کی ایجاد میں کافی وقت صرف ہؤا ہوگا جبکہ اس بارے میں امریکی موجد ایڈیسن کا کہنا ہے کہ ایجاد کیلئے نناوے فی صد خون پسینہ اور صرف ایک فی صد وجدان درکار ہوتا ہے۔ اس مضمون میں ہم چند ایسی ایجادات کا ذکر کریں گے جن کی ایجاد اتفاقیہ تھی۔

ہیضہ کے حفاظتی انجکشن کی ایجاد

فرانس کا مشہور سائنسدان لوئیس پاسچر Louis Pasteur انیسویں صدی کا معروف ترین انسان تسلیم کیا جاتا ہے۔ ۱۸۸۰ میں اس نے فرانس کی چکن انڈسٹری کو چکن کالرا (مرغیوں کا ہیضہ) سے محض اپنے علم سے محفوظ رکھا۔ اس بیماری میں مرغیاں جلد ہی موت کی آغوش میں جا کر ابدی نیند سو جاتی ہیں۔ پاسچر نے اس آرگنزم کو لیبارٹری میں خود پیدا کیا جس سے ہیضہ کی بیماری ہوتی ہے۔ اس نے یہ جراثیم ایک بوتل میں محفوظ کر لئے۔ ایک روز اس کو آئیڈیا ملا اور اس نے یہ جراثیم چند مرغیوں کو کھلا دئے۔ اس کا خیال تھا مرغیاں ان کو ہضم کرنے سے بیمار ہو کر لقمہ اجل بن جائیں گی مگر ہؤا یہ کہ مرغیاں بیمار اور لاغر ہوگئیں۔ مگر کچھ عرصہ بعد وہ صحت یاب ہوگئیں۔

پاسچر نے یہی جراثیم مرغیوں کے دوسرے گلے کو کھلائے تو تمام کی تمام ابدا باد کو سدھار گئیں۔ پاسچر نے محض اتفاقی طور پر یہ حقیقت دریافت کر لی تھی کہ پرانے جراثیم دراصل اپنی ہیئت اور ماہیئت بدل چکے تھے۔ ان کی وجہ سے اب بیماری پیدا نہ ہوتی تھی بلکہ ان پرانے جراثیم کی وجہ سے مرغیاں آئندہ بستر مرض پر پڑنے سے بھی محفوظ رہیں۔

پاسچر نے جلد ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بیکٹیر یا جو انسانوں کو متاثر کرتا ہے اس کا اثر بھی ویسا ہی ہوگا۔ چنانچہ 1881 میں اس نے anti-cholera vaccine تیار کر لیا جس سے لکھوکھا انسانوں کو فائدہ پہنچا۔ اس واقعہ کو امیونولوجی کا آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔ پاسچر پہلا انسان تھا جس نے لیبارٹری میں ویکسین تیار کیا تھا۔ دنیا تاریخ میں چار بیماریوں Cholera, bubonic plague, smallpox, and influenza سے اکثر اموات ہوئی ہیں۔

کوئے نین کی دریافت

بیماریوں کے علاج میں کوئے نین Quinine یعنی سنکونا درخت کی چھال کے جوہر (کوئے نین پاوڈر) نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ اس دوا سے ملیریا بخار کا علاج کیا جاتا جو مچھر کے کاٹنے سے پھیلتا ہے۔ کہتے ہیں کوئے نین کی دریافت 1600 کے لگ بھگ محض اتفاقی طور پر ہوئی تھی۔ جنوبی امریکہ کے ملک پیرو Peru میں ایک ہسپانوی سپاہی کو ملیریا کا سخت بخار ہوگیا اور اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس کے ملٹری یونٹ میں سپاہی اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے روانہ ہوگئے۔ سپاہی کو سخت پیاس لگی تو وہ رینگتا ہؤا ایک قریبی تالاب تک گیا اور پانی پی لیا۔ اس کے بعد وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تو اس کا بخار ختم ہو چکا تھا۔ وہ دوبارہ سفر پر چل پڑا اور اپنے یونٹ سے جلد ہی جا ملا۔ اس نے دیگر سپاہیوں کو اس تالاب سے شفا دینے والے پانی کے اثرات سے مطلع کیا۔ اس کے بعد جب تالاب کے پانی کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہؤا کہ اس میں کڑواہٹ کی وجہ درخت کی وہ چھال تھی جو تالاب کے کنارے پر تھا۔

اس سپاہی نے محض حادثاتی طور پر یہ بات دریافت کر لی کہ Cinchona

درخت کی چھال سے ملیریا کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ درخت کی چھال سے پاؤڈر بنا کر اس کس گولیاں تیار کی جاتی ہیں جو ملیریا کا مؤثر علاج ہے۔ دنیا میں آج بھی کثرت سے اموات ملیریا بخار سے ہوتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک جتنی اموات واقع ہوئی ہیں ان میں نصف کی وجہ ملیریا بخار تھا۔ ہر سال ملیریا سے دو ملین افراد لقمہ اجل بن جاتے جن میں سے اکثر افریقہ اور ساؤتھ ایشیا کے مکین ہوتے ہیں۔ امریکہ میں ہر سال دو ہزار افراد ملیریا بخار سے بیمار ہوتے جن میں اکثر آنیوالے مہاجر یا مسافر ہوتے ہیں۔

مائیکرو ویو اوون کی ایجاد Microwave Oven

مائیکرو ویوز گرمی اور روشنی کی لہروں کی طرح شارٹ ریڈیو ویوز ہیں جو موشن کی ذریعہ کام کرتی ہیں۔ یہ غذا کے اندر مالیکیول میں موشن پیدا کرتی ہیں جن کی وجہ سے فرکشن پیدا ہوتی ہے۔ اس کی سادہ مثال سردی کے موسم میں انسان کا ہاتھ ملنا ہے تا ہاتھ گرم ہو جائیں۔ فرکشن کی وجہ سے فوڈ کے اندر گرمی پیدا ہوتی جس سے فوڈ گرم ہو جاتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد 1946 میں امریکہ میں رے تھیان Raytheon کمپنی کا ایک ملازم Percy Spencer لیبارٹری کے معائنہ کے دوران میگنا ٹران کے سامنے آکر کا جو مائیکرو ویوز پیدا کرتی ہیں۔ میگنا ٹرون وہ پاور ٹیوب ہے جس سے ریڈار سیٹ ڈرائیو ہوتا ہے۔ پرسی کی جیب میں چاکلیٹ تھی جب اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ پگھل چکی تھی۔ اس کو فوراً اس امر کا احساس ہوا کہ چاکلیٹ دراصل مائیکرو ویوز کی وجہ سے پگھل چکی تھی۔ چنانچہ رے تھیان کمپنی نے اس کی سفارش پر 1947 میں سب سے پہلا اوون ریڈار رینج کے نام سے مینوفیکچر کیا جس کا وزن 750 پاؤنڈ اور پانچ فٹ چھ انچ لمبا تھا۔ 1953 میں اس کی قیمت تین ہزار ڈالر تھی اور یہ صرف ریستوران اور بحری جہازوں کے اندر استعمال ہوتا تھا۔ مگر اب یہ ہر گھر میں کچن کے اندر موجود ہے اور قیمت ایک سو ڈالر کے لگ بھگ۔ اب پل بھر میں گرم کھانا مل جاتا ہے۔

سٹین لیس سٹیل کی ایجاد

لوہے کو زنگ کیوں لگتا ہے؟ کیونکہ یہ آکسیجن سے مل کر رد عمل کرتا ہے جس سے آئرن آکسائیڈ پیدا ہوتا ہے۔ مگر سٹین لیس سٹیل کو زنگ نہیں لگتا، کیوں؟ ۱۹۳۱ء کی بات ہے کہ ایک میٹالرجسٹ Harry Brealy کسی ایسی دھات کی تلاش میں تھا جس سے بندوقوں کی نالیاں Gun barrles بنائی جا سکیں۔ اس نے مختلف دھاتوں آپس میں ملا کر تجربات کئے جن کو الائز alloys کہتے ہیں۔ تجربات کے بعد اس نے کچھ بچے کھچے ٹکڑوں کا باہر پھینک دیا۔ کچھ مہینوں کے بعد اس نے دیکھا کہ اگر چہ ان ٹکڑوں کی اکثریت کو زنگ لگ چکا ہے مگر ایک کو نے کو زنگ نہ لگا۔ اس نے اس کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر چودہ فی صد کرومیم تھا۔ یوں اس نے سٹین لیس سٹیل دریافت کر لیا۔ آج کچن کے اندر گھر گھر میں برتن سٹین لیس سٹیل سے بنے ہوتے ہیں۔ بلکہ سرجری کے اوزار بھی اسی سے بنتے ہیں۔

ٹائپ رائٹر کی ایجاد

ٹائپ رائٹر ملوا کی (وسکانسن امریکہ) میں 1869 میں ایجاد ہوا تھا۔ دراصل ٹائپ رائٹر کی ایجاد کا سہرا امریکہ کے چار افراد کو دیا جاتا ہے ان میں سے ایک ملوا کی (وسکانسن) کا رہنے والا Christopher Latham Sholes اور دوسرا ملوا کی (وسکانسن) کا موجد Samuel W. Soulé d.1890 تھا جس نے پریکٹیکل ٹاپ رائٹر مشین شاپ میں بنایا تھا۔ 1875 راقم السطور نے وہ تاریخی کتبہ دیکھا ہے جو وسکانسن یونیورسٹی کے پاس لگا ہوا ہے۔ کرسٹوفر شولز کے بنائے کی بورڈ پر انگلش کے حروف ابجد A-Z ترتیب دئے گئے تھے۔ مگر اس ترتیب میں پرابلم یہ تھی کہ ABC کی ترتیب سے اس کی کیز Keys آپس میں اٹک جاتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا ٹائپسٹ آہستہ آہستہ ٹائپ کرتا تھا۔

مسٹر شولز نے اپنے ایک عزیز کو کی بورڈ دوبارہ ترتیب دینے کیلئے کہا یوں کہ حروف تہجی ایک دوسرے سے زیادہ قریب نہ ہوں نیز یہ کہ type bars مختلف اطراف سے آئیں تا کہ آپس میں ٹکرائے نہیں۔ نئی ترتیب میں حروف ابجد یوں بنتے ہیں QWERTY یہی ترتیب اب کمپیوٹرز میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے ٹائپ رائٹر کی مقبولیت کے پیش نظر ان حروف کی ترتیب ذہن نشین کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور امریکی مصنف اور ادیب مارک ٹوئین نے 1874 میں ٹائپ رائٹر خریدا تھا۔ ایک امریکی خاتون Carol Bechen کی 1974 میں ٹائپنگ سپیڈ 176 الفاظ تھی۔ اسی طرح 1946 میں آئی بی ایم ٹائپ رائٹر پر Stella Pajunas نے ایک منٹ میں 216 الفاظ ٹائپ کئے تھے۔ پھر ایک اور خاتون Barbara Blackburn نے 2005 میں 212 wpm ٹائپ کئے تھے۔

آرک ویلڈنگ کی ایجاد

امریکی پروفیسر تھامپسن فلاڈلفیا شہر کے شہرہ آفاق فرینکلن انسٹی ٹیوٹ میں بجلی پر لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر کے دوران ڈیمانسٹریشن کے دوران اس نے غلطی سے دوتاروں آپس میں ملایا تو وہ آپس میں جڑ گئیں۔ تھامپسن کے خیال میں ان تاروں کو جڑنا نہیں چاہئے تھا۔ اس نے ان کو الگ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ ہوُا یہ کہ بجلی کی وجہ سے حرارت پیدا ہوئی تھی اور یہ تاریں ویلڈ ہوگئیں تھیں۔ تھامپسن نے یوں اتفاقی طور پر آرک ویلڈنگ کا نیا طریقہ دریافت کرلیا تھا۔

کشش ثقل کی دریافت

اگر زمین پر ایک شخص کا وزن 150 پاؤنڈ ہے تو چاند پر وزن کتنا ہوگا؟ یا مشتری سیارہ پر وزن کتنا ہوگا؟ اس بات کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس سیارہ کی کشش ثقل کس قدر ہے۔ کشش ثقل کی دریافت محض حادثاتی ہے۔ 1666 میں سر آئزک نیوٹن اپنے فیملی کے باغ میں کسی گہری سوچ میں غرق تھا کہ قریب درخت سے سیب اس کے سر پر گرا۔ نیوٹن نے خود سے سوال کیا کہ یہ سیب نیچے کی طرف کیوں گرا ہے؟ مزید سوچ بچار پر اسے یہ بات سمجھ آئی کہ کوئی خاص قوت ہے جو چاند کو زمین کی طرف کھینچتی ہے اور اس کو اس کے مدار میں برقرار رکھتی ہے۔ نیز یہ کہ زمین پر موجود قوانین فطرت وہی ہیں اور اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح دور کے سیاروں اور ستارے قوانین عمل کرتے ہیں۔

اس معمولی مگر تاریخ ساز واقعہ سے قبل لوگ خیال کرتے تھے کہ زمین کے طبع قوانین آسمانی قوانین سے الگ ہیں خاص طور پر جہاں تک موشن کے قوانین کا تعلق ہے۔ 1684 میں اس نے اپنی نئی کشش ثقل کی تھیوری کو حسابی طریق سے ثبوت کے ساتھ پیش کیا۔ اب یہ آفاقی قانون فزکس کے بنیادی قوانین میں سے ہے۔ اس کو جی فورس G force بھی کہا جاتا ہے۔

ٹیلی فون کی ایجاد

اگر چہ ٹیلی فون کا موجد گراہم بیل Graham Bell d. 1922 کو مانا جاتا ہے لیکن اس مفید اور عالمی ایجاد پر کئی ایک دیگر نامور سائنسدانوں نے بھی کام کیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام مسٹر ایلیشا گرے Elisha Gray تھا۔ 1875 کے لگ بھگ کی بات ہے کہ ایک روز مسٹر گرے نے دو بچوں کو ٹن کینز Tin Cans میں باتیں کرتے دیکھا جن کے درمیان رسی لگی ہوئی تھی۔ یہ گویا ان کا ہوم میڈ فون تھا۔ (بچپن میں ہم ماچس کی دو ڈبیوں کو دھاگے سے ملا کر ایسا فون استعمال کیا کرتے تھے)۔ جب ایک بچہ ٹن کین میں بات کرتا تو اس سے ہونے والی وائبریشن رسی کے ذریعہ دوسرے ٹن کین تک چلی جاتی۔ مسٹر گرے کو اس سے یہ آئیڈیا ملا کہ اگر رسی کی بجائے تار لگادی جائے تو انسان کی آواز ایک مقام دوسرے مقام تک سفر کر سکے گی۔ بشرطیکہ آواز الیکٹریکل سگنلز میں تبدیل کردی جائے۔ چنانچہ ٹن کین کو سامنے رکھ کر اس نے ٹرانس مٹر کا سکیچ کاغذ پر بنایا۔ 14 فروری 1876 کو جب مسٹر گرے پیٹنٹ آفس میں اپنی نئی ایجاد کو پیٹنٹ کروانے گیا تو صرف دو گھنٹے قبل گراہم بیل ٹیلی فون کی ایجاد کا پیٹنٹ دائر کر چکا تھا۔ یوں اس انقلابی ایجاد کا سہرا مسٹر بیل کے سر باندھا جاتا ہے۔ آج امریکہ اور کینیڈا میں بیل کے لفظ اور ٹیلی فون میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ کینیڈا کی سب سے بڑی ٹیلی فون کمپنی کا نام Bell Canada ہے۔ گراہم بیل کا تعلق اونٹاریو کے شہر برانٹ فورڈ سے بھی رہا ہے۔ ایک دعویٰ کے مطابق ٹیلی فون اس نے برانٹ فورڈ شہر میں 26 جولائی 1876 کو ایجاد کیا تھا۔

دنیا کی پہلی لانگ ڈسٹنس فون کال گراہم بیل نے اگست 1876 میں برانٹ فورڈ اور پیرس (اونٹاریو) کے درمیان میں کی تھی۔ اس وجہ سے برانٹ فورڈ کو "دی ٹیلی فون سٹی" بھی کہا جاتا ہے۔ گراہم بیل جس گھر میں رہتا تھا اس کو کوئین ایلزبیتھ دوم نے 28 جون 1997 کو نیشنل ہسٹارک سائٹ قرار دیا تھا۔

اس ضمن میں یہ بیان کرنا بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ 10 مارچ 1876 کو گراہم بیل بوسٹن میں 109 Court Street کی سب سے اونچی منزل پر موجود اپنی ورک شاپ میں ٹیلی فون ایجاد کرنے کے مختلف طریقوں پر تجربات کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ ٹرانسمیٹر میں solid voice coil استعمال کر چکا تھا۔ اب جو تجربہ وہ کر رہا تھا اس میں لیکوئیڈ ٹرانسمیٹر یعنی تیزاب کا وائس کائیل استعمال کر رہا تھا۔ غلطی سے تیزاب اس کی پینٹ پر گر گیا تو اس نے اپنے معاون مسٹر واٹسن کو جو ملحقہ کمرے میں تھا آواز دی:

Mr. Watson come here I want to see you. مسٹر واٹسن کو یہ الفاظ صاف سنائی دیئے اور وہ دوڑا آیا۔ دونوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ یوں ٹیلی فون پر بولا جانے والا یہ فقرہ تھا۔ آج ہم ٹیلی فون آنے پر ہیلو کہتے ہیں مگر مسٹر بیل AHOY کہا کرتا تھا۔ جو بگڑ کر ہیلو بن گیا۔

آسمانی بجلی کی دریافت اور پتنگ

تاریخ عالم میں سب سے مشہور پتنگ امریکی موجد، پرنٹر اور ڈپلومیٹ کے بنجمن فرینکلن (وفات 1790) نے اڑائی تھی۔ جو اس نے جون 1756 میں فلاڈلفیا میں اڑائی اور یہ بات اس پر منکشف ہوئی کہ بادلوں میں پیدا ہونے والی روشنی اور بجلی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ فرینکلن نے پتنگ ریشم سے بنائی تھی اور اس کے زمین والے حصے کی طرف ایک رسی کے ساتھ چابی لگی ہوئی تھی۔ جس وقت پتنگ بادلوں میں تھی تو بادلوں کی کڑک میں بجلی موجود تھی۔ اس نے بجلی کی سائنس کا مزید مطالعہ کیا اور کہا کہ بجلی میں منفی اور مثبت چارج ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ بجلی کی سائنس کے قریب 25 الفاظ اس نے ایجاد کئے تھے جیسے charged, armature, conductor, battery۔ بجلی کے تجربات کے دوران وہ خود دو بار بجلی لگنے سے بے ہوش ہوگیا۔ اس موضوع پر اس نے ایک کتاب Experiments and Observations on Electricity بھی تصنیف کی۔ بجلی کے علاوہ اس کی مشہور ایجادات میں سے فرینکلن سٹوو اور بائی فوکل آئی گلاسز ہیں۔ سائنس اور ایجادات سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے فلاڈلفیا کا فرینکلن انسٹی ٹیوٹ دیکھنے کے قابل ہے۔

کاغذ کی ایجاد

اگر کاغذ ایجاد نہ ہوا ہوتا تو دنیا میں علم اتنی سرعت سے نہ پھیلتا۔ یورپ میں 1450 سے قبل صرف چند ہزار کتابیں تھیں مگر اسلامی دنیا میں کاغذ کی وجہ سے کتابیں بے شمار تعداد میں لکھی جاتی اور تقسیم ہوتی تھیں۔ کاغذ کے بزنس سے منسلک لوگ اپنے نام کے ساتھ الورق لکھتے تھے۔ پھر یورپ میں کاغذ اور جرمن موجد گوٹن برگ کی پرینٹنگ پریس کے ایجاد کے بعد کتابیں ہزاروں میں شائع ہونے لگیں۔ ملک چین میں ایک شخص Tsai Lun تھا جو کورٹ آفیشل تھا۔ اس نے کاغذ 105 میں ایجاد کیا۔ اس کے بعد چینی قوم نے بہت ترقی کی۔ پھر عربوں نے کاغذ بنانا آٹھویں صدی میں سیکھا۔ عراق سے یہ فن سپین میں پہنچا جہاں اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی۔ یہ بات بارہویں صدی کی ہے۔ قرطبہ میں اس وقت کاغذ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ چونکہ کاغذ پرانے کپڑوں سے بنایا جاتا تھا جسے پارچمنٹ کہتے تھے اس لئے پرانے کپڑے اکھٹے کرنا بھی ایک پیشہ ہوتا تھا۔ مگر کاغذ کی مانگ بڑھتی گئی اس لئے اس کو بنانے کیلئے اور طریقے بھی دریافت ہونے لگے۔

ایک فرنچ سائنسدان Reaume نے 1700 کے لگ بھگ کاغذ بنانے کا کیمیائی طریقہ دریافت کرلیا۔ ہوا یہ کہ وہ ایک روز پارک میں سیر کے لئے گیا۔ اس نے وہاں بھڑ کا چھتہ اٹھایا اور اس کا بغور تجزیہ کیا۔ اسے پتہ چلا کہ یہ کاغذ سے بنا ہوا تھا۔ اس نے خود سے سوال کیا کہ بھلا بھڑ نے یہ گھر کیسے بنایا تھا۔ یعنی بھڑ نے کسی کیمیکل (آگ) یا دیگر اجزاء کے بغیر کاغذ کیسے تیار کیا؟ اس سوال کا جواب اس کو یہ ملا کہ بھڑ نے چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو چبا کر اپنے تھوک اور معدہ میں موجود جوسز سے تیار کیا تھا۔ خوش قسمتی سے ری آم نے بھڑوں کے نظام ہضم کا مطالعہ پہلے سے کیا ہوا تھا۔ اب اس نے اس موضوع پر ایک مقالہ تیار کیا اور اپنی ریسرچ فرنچ رائیل اکیڈیمی کے سامنے 1719 میں پیش کی۔

ایک اور فرنچ میکینکل انجینئر Robert Louis-Nicolas (d1828) نے ایک ایسی مشین تیار کی جو کاغذ لگاتار بناتی تھی۔ اس کا پیٹنٹ اس نے 1799 میں حاصل کیا تھا۔ کسی وجہ سے وہ اپنے پینٹ سے محروم کردیا گیا تو مشین برطانیہ بھیج دی گئی جہاں اس پر مزید تحقیق ہوئی۔ کینیڈا میں چونکہ درخت بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اسلئے اس ملک کی سب سے بڑی ایکسپورٹ انڈسٹری کاغذ ہے۔

انسولین کی ایجاد

فریڈرک بینٹنگ Banting اور جان میکلوڈ Macleod (یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے پروفیسر) کو 1923 میں ذیابیطس کے علاج کے طور پر انسولین کی دریافت اور اس کے کلینکل استعمال پر نوبیل انعام دیا گیا تھا۔ لبلبے (پین کریسٹ) اور انسولین میں تعلق انہوں نے یورپ کے سائنسدانوں کے تعاون سے معلوم کیا تھا۔ جرمن فزیشن جوزف میرنگ Joseph von Mering اور آسکر من کوسکی Oscar Minkowski نے ایک صحت مند کتے کے جسم سے لبلبے کو الگ کیا تا کہ نظام ہضم میں اس کے کردار کا پتہ لگایا جا سکے۔ لبلبہ الگ کرنے کے کئی روز بعد ان دونوں ڈاکٹروں نے دیکھا کہ کتے کے پیشاب کے اوپر کھیاں اڑ کر رہی تھیں۔ یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کھیاں پیشاب کے اوپر کیوں اڑ رہی ہیں انہوں نے کتے کے پیشاب کا ٹیسٹ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پیشاب میں شوگر تھی جو کہ ذیابیطس کی نشانی ہے۔ ڈاکٹروں کو معلوم تھا کہ لبلبے کے الگ کرنے سے قبل کتا صحت مند تھا اس لئے ان کو لبلبے اور ذیابیطس میں باہمی تعلق معلوم ہوگیا۔ انہوں نے مزید ٹیسٹ کئے تو پتہ چلا لبلبہ ایک چیز پیدا کرتا ہے جو انسانی جسم کے اندر شوگر کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس کے بعد کئی سائنسدانوں نے انسولین جو لبلبے سے پیدا ہوتی الگ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ آخر کار کینیڈین پروفسر بینٹنگ اور میکلوڈ نے پتہ لگایا کہ لبلبے سے پیدا ہونے والا مادہ انسولین ہے۔ اس کے بعد سے اب تک انسولین ذیابیطس کو کنٹرول کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

(خوف کی وجہ سے ہونے والی تکالیف کا ہومیو علاج)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ

اگر خوف زدہ ہونے کے بعد چکر آئیں یا اگر خوف کی وجہ سے مرگی کا دورہ ہو جاتا ہو تو ہومیو دوا اوپیم ۲۰۰ یا ۱۰۰۰ مفید ثابت ہوتی ہے۔

یا داشت کمزور ہو اُونچی جگہ سے خوف آئے، چکر آئیں، وہمی، بے پرواہ، پریشان خیال، آنکھوں کی پتلیاں غیر متوازن ہوں تو اسینتھم مفید ہے۔ اگر مریض ایک منٹ بھی تنہا نہ رہنا چاہے ایسا خاص طور پر بوڑھوں میں ہوتا ہے انھیں اپنی کہانی سنانے کی تمنا ہوتی ہے۔ بسمتھم

اگر صدمے یا مایوسی سے دماغ پر اچانک اثر ہو جائے اور ہر چیز سے بے جا خوف آنے لگے تو مرض کے ابتداء میں ایکونائیٹ ۲۰۰ یا ۳۰ دی جائے اور اگر دماغ بڑا محسوس ہو تو فیوجا دوا دینی چاہیے۔

اگر مریض خوف سے چیخیں مارے اور اسے چکر آئیں اسکے علاوہ اگر کتا حملہ کر دے تو خوف سے سر گھومنے لگے یا پیشاب رُک جائے تو ایکونائیٹ ۲۰۰ یا ۱۰۰۰ فوراً اثر کرتی ہے۔ کسی عزیز کی وفات یا مالی صدمہ ہو تو فوراً ایکونائیٹ ۲۰۰ یا ۱۰۰۰ دینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

اگر مریض خواب میں ڈر کر یا کسی اجنبی کو اچانک سامنے دیکھ کر خوف سے کانپنے لگے اور جسم نیلا اور ٹھنڈا ہو جائے۔ لاروسیرا اسس (ایسے مریض کو مرگی کا مرض بھی لاحق ہو سکتا ہے)

اگر کوئی مریض ہر ایک کو شک کی نظر سے دیکھے اور ان دیکھے خطرات سے خوف زدہ ہو تو اسے لیکیسس ۱۰۰۰ دینا چاہیے۔

اگر کسی کام میں دل نہ لگے، موت کا خوف ہو، حادثہ کا ڈر ہو اور بے چینی بہت ہو تو آرسینک ۱۰۰۰ کی چند خوراکیں دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

جب ذہن پریشان ہو، نیند کم آئے اور خوف آئے تو یہ نسخہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ ایکونائیٹ ۲۰۰ اور سلفر ۲۰۰ ملا کر ہفتے میں تین بار اور ساتھ نکس وامیکا ۳۰ روزانہ سونے سے قبل ایک بار۔

اگر مریض نیچے کھڑا ہو اور اونچی جگہ کے تصور سے خوف آئے تو آرسنک یا ارجنٹم نائیٹرکیم ۲۰۰ مفید ہیں۔ لیکیسس ۱۰۰۰ بھی مفید ہے۔

اگر کسی کام میں دل نہ لگے، موت کا خوف ہو، حادثہ کا ڈر ہو اور بے چینی بہت ہو تو آرسینک ۱۰۰۰ کی چند خوراکیں دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

جب ذہن پریشان ہو، نیند کم آئے اور خوف آئے تو یہ نسخہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ ایکونائیٹ ۲۰۰ اور سلفر ۲۰۰ ملا کر ہفتے میں تین بار اور ساتھ نکس وامیکا ۳۰ روزانہ سونے سے قبل ایک بار۔

اگر مریض نیچے کھڑا ہو اور اونچی جگہ کے تصور سے خوف آئے تو آرسنک یا ارجنٹم نائیٹرکیم مفید ہیں۔ لیکیسس بھی مفید ہے۔

اکیلے پن کا خوف ہو۔ کالی کارب ۳۰ یا ۲۰۰

عزیزوں کے مرنے کا خوف لاحق ہو اور بعض دفعہ خیالی نظارے دیکھے تو اگنیشیا مفید ہے۔ اس بات سے خوف زدہ ہو کہ وہ کوئی ایسا گناہ کر بیٹھا ہے جس کی بخشش ناممکن ہے تو ہیلی بورس مفید ہے اس کے علاوہ ایسی بھیانک سوچیں آرم میور، لیکیس اور سٹرامونیم میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اگر خوف کے نتیجے میں عضلات میں اکڑاؤ پیدا ہو، ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہوں اور مرگی یا ہسٹریا کے دورے پڑنے لگیں تو اونچی طاقت میں اوپیم استعمال کرنی چاہیے اچانک خوف اور دہشت کی وجہ سے یا گہرے غم کے نتیجہ میں جسم کانپنے لگ جائے تو لاروسیرا اسس دوا ہو گی۔ اور اگر سارا جسم کانپے، جوڑوں، کندھوں، کلائیوں اور گھٹنوں میں درد ہو، سخت کمزوری ہو اور سردی کا احساس ہو تو ہومیو دوا لیکٹک ایسڈ دوا مفید ثابت ہوتی ہے۔

اگر کسی خوف یا دہشت کی وجہ سے اسہال شروع ہو جائیں تو وہ پانی کی طرح پتلے اور بدبودار ہوتے ہیں اور کمزوری پیدا کر دیتے ہیں۔ ان علامات میں کالی فاس ۶ اکس یا ۳۰ مفید ہے۔

اگر کسی امتحان یا ملاقات سے پہلے خوف سے اسہال شروع ہو جائیں تو ارجنٹم نائٹرکیم ۲۰۰ اور الیومنا ۲۰۰ بھی مفید ہے۔

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

اگر بہت محنتی اور امتحان سے خوف زدہ رہنے والے طلباء کے سر میں مستقل درد ہونے لگے تو بھی پکرک ایسڈ ۳۰ یا ۲۰۰ نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔

موت کا خوف ہو اور رونے کی طرف رجحان ہو تو کروٹیلس ۳۰ مفید ہے اور اگر مرنے کا خوف ہو تو ایکونائیٹ ا۔ایم بھی نہایت مفید ہے۔

بھوتوں کا خوف ہو۔	ایکونائیٹ اایم
اگر مریض انجانے خطروں سے خوف زدہ اور وہمی ہو۔	برائٹا کارب
کتوں سے ڈر لگے۔	آسنک ۲۰۰
اندھیرے سے ڈر لگے۔	فاسفورس اایم
چوروں کا خوف ہو۔	آرسنک ا۔ایم
ہوائی حملے کا خوف ہو۔	اگنیشیا ا۔ایم

اگر مریض کو تیز روشنی، چمک دار اشیاء یا پانی دیکھنے یا نہانے سے خوف اور تشنج ہو جاتا ہو۔ ہائیڈروفوبینم۔ ایک ایم میں مفید ہے۔۔

جو بچے جھینپنے والے ہوں، سکول میں پیچھے رہیں، اجنبی آ جائے تو چھپ جاتے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی ساخت میں خرابیاں ہوں تو برائیٹا کارب بہت مفید ہے۔ برائیٹا کارب میں بچے کی ٹانگیں ٹھیک بھی ہوں تو ان میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

جب ڈر یا خوف کی وجہ سے لکنت ہو تو ایکونائیٹ سی۔ایم کی ایک خوراک ہی مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ لکنت کے لیے سٹرامونیم ۲۰۰ کو ایکونائیٹ ۲۰۰ سے ملا کر ہفتے میں تین بار دینا بھی مفید نسخہ ہے۔ (بچوں کی لکنت کے لیے اومیگا ۳ فش آئل نہایت مفید ہے۔ یہ آئل کی صورت میں اور کیپسول بھی مل جاتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ اومیگا ۶ روزن فش آئل بھی استعمال کیا جائے تو زیادہ فائدہ مند ہے یہ آئل ذہنی استعداد بڑھانے اور جسمانی اور دماغی کمزوری دور کرنے کے لیے بھی مفید ہے)

بچے یا بڑے کمرہ امتحان میں گھبرا جائیں اور پرچہ حل نہ کرسکیں تو ایتھوزا ۲۰۰ بہت مفید ہے۔ جن طالب علموں کو امتحان کا خوف ہو انہیں ارجنٹم نائیٹریکم ۲۰۰ اور ایتھوزا ۲۰۰ استعمال کرنی چاہیے۔ اور اگر خود اعتمادی کی کمی ہو یا پبلک میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا خوف ہو انہیں لائیکوپوڈیم ۲۰۰ استعمال کرنی چاہیے۔

جو بچے سکول جانے سے خوف زدہ ہوں انہیں فاسفورس ۳۰، ایکونائٹ ۳۰ اور اوپیم ۳۰ ملا کر استعمال کروانی چاہیے۔

اگر امتحان میں فیل ہونے کا خوف ہو تو کالی فاس ۱۶ یکس اور سلیشیا ۱۶ ایکس ملا کر روزانہ تین چار بار دینا چاہیے۔ ڈرائیونگ لائسنس کے لیے دیے گئے امتحان کا خوف ختم کرنے کے لیے یہ بہترین نسخہ ہے۔

جو بچے اکیلے رہنے سے ڈرتے ہوں ان کے لیے فاسفورس ۳۰ مفید ہے۔

اگر بچے رات کو ڈر کر اُٹھ جائیں ان کو آرسینک ۳۰، اوپیم ۳۰ اور ایکونائٹ ۳۰ ملا کر دینے سے عموماً فائدہ ہوتا ہے۔

اگر خوف یا اچانک صدمہ پہنچنے سے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو تو پلمبم ۲۰۰ ان میں دوبارہ حرکت پیدا کرسکتی ہے۔

اگر حاملہ عورت کو ڈراؤنے خواب آئیں جن کی وجہ جنین کی حرکت کی وجہ سے رحم میں درد محسوس ہوتا ہے جو رات کو خوف میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آرنیکا ۲۰۰

اگر حاملہ کو غیر متوقع خوشی یا غم کی خبر پہنچے تو بعض تکالیف مثلاً سر درد یا پیٹ درد وغیرہ ہو جائیں تو سا ئنا ۳۰ مفید ہے۔

سردی لگنے یا خوف کی وجہ سے حیض بند ہو جائے تو گلونائن کے علاوہ برائیونیا اور سی سی فیوجا بھی مفید ہیں اور اگر پاگل پن کے اثرات ہوں تو ایتھوزا بھی کام آسکتی ہے۔ اسکے علاوہ حیض رکنے کا اثر اگر ذہن پر ہو تو بھی ایتھوزا مفید ہے۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔ کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیوفزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہوسکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔ رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

شمائل نبوی ﷺ

(آنحضرت ﷺ کی صداقت شعاری، امانت و دیانت اور ایفائے عہد)

قسط 14

(تحریر و تحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔لندن)

1۔صداقت شعاری: انسانی سیرت و کردار کی تعمیر میں سب سے اہم وصف صدق ، لہجہ، سچائی اور راست گفتاری ہے۔ دراصل انسان کی باطنی سچائی ہی ہے جس کا اظہار نہ صرف اس کی زبان سے بلکہ سیرت و کردار، حتیٰ کہ اس کی پیشانی سے بھی جھلکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماموروں اور فرستادوں کی سچائی کا نشان یہی صداقت شعاری کا خلق ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اہل مکہ کو یہ خطاب ہوا کہ:

قُل لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوتُه عَلَيْكُمْ وَ لَا اَدْرٰكُمْ بِه. فَقَدْ لَبِثْتَ فِيْكُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِه. اَفَلَا تَعْقِلُونَ یعنی (اور) تو (انھیں) کہہ کہ اگر اللہ کی (یہی) مشیت ہوتی (کہ اس کی جگہ کوئی اور تعلیم دی جائے) تو میں اسے (قرآن) تمہارے سامنے پڑھ کر نہ سناتا اور نہ وہ (ہی) تمہیں اس (تعلیم) سے آگاہ کرتا۔ چنانچہ اس سے پہلے میں ایک عرصہ دراز تم میں گذار چکا ہوں کیا پھر (بھی) تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی، بحیثیت مدعی نبوت، راست گفتاری میں بطور مثال کے پیش فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ جو شخص بچپن اور جوانی میں انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ بڑھاپے کے قریب خدا تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ بلا شبہ مدعی نبوت کی صداقت کی یہ ایک بنیادی اور اہم دلیل ہے۔ اس پر بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت کو پرکھا جائے تو آپ ﷺ کی سچائی روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔

آپ ﷺ ہی تھے جن کو آغاز جوانی سے ہی اپنے پرائے سبھی امانت دار مانتے تھے۔ آپ ﷺ کا نام ہی صدیق و امین پڑ گیا تھا جو سچ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمن بھی دعوی نبوت تک کھلم کھلا یہ گواہی دیتے رہے۔ اس جگہ چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں:

الف: اپنوں کی گواہیاں:

ازواج مطہراتؓ کی گواہی: میاں بیوی کی قربت کو قرآن شریف میں بجا طور پر ایک دوسرے کے لباس سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے فرمایا: هُنَّ لِبَاسُ لَّكُمْ وَ اَنْتُم لِبَاسُ لَّاُهُنَّ، یعنی وہ تمہارے لئے ایک (قسم) کا لباس ہیں اور تم ان کے لئے ایک (قسم) کا لباس ہو۔ پس بیوی سے بڑھ کر کون ہے جو شوہر کے زیادہ قریب ہو اور اس کے اخلاق کے بارہ میں اس سے بہتر رائے دے سکے؟ نبی کریم ﷺ جب پہلی وحی کے بعد گھبراہٹ کے عالم میں گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو جن الفاظ میں تسلی دی وہ آپ ﷺ کی صداقت کی زبردست گواہی ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی یہ اہم صفت بھی بیان کی کہ آپ ﷺ تو ہمیشہ سچ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

(بخاری کتاب التعبیر باب اول منابدی به رسول الله) رسول کریم ﷺ کے اخلاق کے بارہ میں حضرت عائشہؓ کی بھی یہی گواہی تھی کہ آپ ﷺ کے اخلاق تو قرآن کریم کی تصویر ہیں۔ اسلام اور قرآن کا بنیادی خلق تو "سچائی" ہی ہے۔

(2) آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی گواہی: جب آپ ﷺ نے دعویٰ نبوت فرمایا تو ایک دفعہ قریش کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی شکایت لے کر آپ ﷺ کے چچا، ابو طالب کے پاس آیا۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلوا کر سمجھایا کہ قریش کی بات مان لو۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کے وفد سے فرمایا کہ "اگر تم اس سورج سے روشن شعلہ آگ بھی میرے پاس لے آؤ، پھر بھی میرے لئے اس کام کو چھوڑنا ممکن نہیں"۔ اس پر ابو طالب نے گواہی دی کہ خدا کی قسم! میں نے آج تک کبھی اپنے بھتیجے کو اس کے قول میں جھوٹا نہیں پایا، یعنی یہ اپنی بات کا پکا اور سچا ہے اور اس پر قائم رہے گا، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔

(دلائل النبوة بيهقى جلد 2ص 187 دار الكتبة العلميه بيروت)

ابو طالب کی دوسری گواہی شعب ابی طالب کے زمانہ کی ہے۔ جب اس محصوری کے زمانہ میں تیسرا سال ہونے کو آیا تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ابو طالب کو اطلاع دی کہ "بنو ہاشم سے بائیکاٹ کا جو معاہدہ خانہ خدا میں لٹکایا گیا تھا، اسے سوائے لفظ "اللہ" کے باقی کو دیمک کھا گئی ہے۔" ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کے قول پر ایسا یقین تھا کہ انہوں نے پہلے اپنے بھائیوں سے کہا کہ "خدا کی قسم!

محمدﷺ نے مجھ سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، یہ بات بھی لازماً سچ ہے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ سرداران قریش کے پاس گئے اور انہیں بھی کھل کر کہا کی میرے بھتیجے نے مجھے یہ بتایا ہے کہ تمہارے معاہدے کو دیمک کھا گئی ہے، اس نے مجھ سے آج تک جھوٹ نہیں بولا، بے شک تم جا کر دیکھ لو۔ اگر تو میرا بھتیجا سچا نکلے تو تمہیں بائیکاٹ کا اپنا فیصلہ تبدیل کرنا ہوگا۔ اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو میں اسے تمہارے حوالے کردوں گا۔ پھر چاہے تو اسے قتل کرنا اور چاہو تو زندہ رکھو۔ انہوں نے جب جا کر دیکھا تو جیسے رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا، سوائے لفظ ''اللہ'' کے سارے معاہدہ کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ چنانچہ قریش یہ معاہدہ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ لابنجوزی ص 198 بیروت)

(3) رشتہ داروں کی گواہی: نبی کریمﷺ کو جب حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت حق پہنچائیں تو آپﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو نام لے لے کر بلایا۔ جب وہ سب اکٹھے ہو گئے تو ان سے پوچھا کہ ''اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک لشکر حرا رتم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟'' انہوں نے بلا تامل کہا: ''ہاں! ہم نے آپ (ﷺ) سے جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا، آپ (ﷺ) تو ہمیشہ سچ بولتے ہیں''۔ اس کے بعد جب آپﷺ نے انہیں کلمہ توحید کی دعوت دی تو آپﷺ کا چچا ابولہب کہنے لگا: ''تیرا برا ہو، کیا تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا''۔ **(بخاری، کتاب التفسیر سورۃ لھب)**

(4) ایک دوست کی گواہی: حضرت ابوبکر صدیق آپﷺ کے بچپن کے دوست تھے۔ انہوں نے جب آپﷺ کے دعویٰ کے بارہ میں سنا تو رسول اللہﷺ کے اصرار کے باوجود کوئی دلیل نہیں چاہی، کیونکہ ان کی زندگی بھر کا مشاہدہ یہی تھا کہ آپﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2ص 164 دار الکتبۃ العلمیہ بیروت)

ب۔ دشمنوں کی گواہیاں:

(1) ابوجہل کی گواہی: سچوں کی گواہی دینے پر اپنے اور بیگانے تو کیا دشمن بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ رسول خداﷺ کا ابوجہل سے بڑھ کر کون دشمن ہوگا۔ وہ بھی آپﷺ کو برملا کہا کرتا تھا کہ ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس تعلیم کی تکذیب کرتے ہیں جو تو لے کر آیا ہے۔ **(ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام)**

(2)۔ دشمن اسلام ابوسفیان کی گواہی: آپﷺ کا دوسرا بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ ہرقل شاہ روم نے اپنے دربار میں جب اس سے یہ سوال کیا کہ کیا تم نے اس مدعی نبوت (آنحضرتﷺ) پر اس سے پہلے کوئی جھوٹ کا الزام لگایا؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ دانا ہرقل نے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس نے لوگوں کے ساتھ تو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور خدا پر جھوٹ باندھنے لگ جائے۔ **(بخاری بدہ الوحی)**

(3)۔ جانی دشمن نضر بن حارث کی شہادت: رسول اللہﷺ کا ایک اور جانی دشمن نضر بن حارث تھا جو آپﷺ کے قتل کے منصوبے میں بھی شامل تھا۔ کفار کی ایک مجلس میں جب کسی نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں محمد (ﷺ) کے بارے میں یہ مشہور کرنا چاہیے کہ یہ جھوٹا ہے تو نضر بن حارث سے رہا نہ گیا۔ وہ بے اختیار کہہ اٹھا کہ دیکھو محمد (ﷺ) تمہارے درمیان جوان ہوا، اس کے اخلاق پسندیدہ تھے، وہ تم میں سے سب سے زیادہ سچا اور امین تھا، پھر جب وہ ادھیڑ عمر کو پہنچا اور اپنی تعلیم تمہارے سامنے پیش کرنے لگا تو تم نے کہا کہ جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم! یہ بات کوئی نہیں مانے گا کہ وہ جھوٹا ہے، وہ ہرگز جھوٹا نہیں ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد1ص 320مصر)

(4)۔ سردار قریش عتبہ کی گواہی: قریش نے ایک دفعہ سردار عتبہ کو نمائندہ بنا کر رسول کریمﷺ کی خدمت میں بھجوایا۔ اس نے کہا کہ آپ (ﷺ) ہمارے معبودوں کو کیوں برا بھلا کہتے ہیں اور ہمارے آباء واجداد کو کیوں گمراہ قرار دیتے ہیں؟ آپ (ﷺ) کی جو بھی خواہش ہے، ہم اسے پورا کرتے ہیں، آپ (ﷺ) ان باتوں سے باز آئیں۔ حضورﷺ اس کی باتیں بڑے تحمل اور خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو آپﷺ نے سورۃ حٰم فُصِلَتْ کی چند آیات تلاوت کیں، جب آپﷺ اس آیت پر پہنچے کہ میں تمہیں عاد وثمود جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں، تو اس پر عتبہ نے آپﷺ کو روک دیا کہ اب بس کریں اور خوف کے مارے اٹھ کر چل دیا۔ اس نے قریش کو جا کر کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ محمد (ﷺ) جب کوئی بات کہتا ہے تو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم پر وہ عذاب نہ آ جائے جس سے وہ ڈراتا ہے۔ تمام سردار یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ ان سب سرداران قریش کی یہ خاموشی اپنی ذات میں اس بات کی گواہی تھی کہ بلا شبہ آپﷺ راستباز اور صادق ہیں۔ **(السیرۃ الحلبیہ از علامہ برھان الدین جلد 1ص 303 مطبوعہ بیروت)**

(5) دشمن اسلام امیہ بن خلف کی گواہی: اپنے جاہلیت کے دوست اور حضرت سعد بن معاذؓ انصاری سے اپنی ہلاکت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی سن کر دشمن رسول (ﷺ) امیہ بن خلاف نے کہا تھا کہ خدا کی قسم محمد (ﷺ) جب بھی کوئی بات کرتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا۔

(بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی السلام)

(6) دشمن اسلام امیہ کی بیوی کی گواہی: حضرت سعد بن معاذؓ انصاری نے اپنے جاہلیت کے دوست سردار قریش امیہ بن خلف کی بیوی کو بتایا کہ محمد ﷺ نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ اس کا خاوند امیہ ہلاک ہوگا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ جب جنگ بدر کے لئے امیہ ابوجہل کے ساتھ جانے لگا تو بیوی نے پھر کہا: ''تمہیں یاد نہیں تمہارے یثربی بھائی سعد نے تمہیں کیا کہا تھا''۔ امیہ اس وجہ سے رک گیا مگر ابوجہل کے اصرار پر وہ ساتھ چلا گیا۔ چنانچہ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا اور رسول کریم ﷺ کی بات سچی ثابت ہوئی۔ (بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی السلام)

(7) ایک یہودی عالم کی گواہی: عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک بڑے یہودی عالم تھے۔ وہ مسلمان ہونے سے پہلے کا اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگ دھڑا دھڑ آپ ﷺ کو دیکھنے گئے، میں بھی ان میں شامل ہوگیا۔ میں آپ ﷺ کا نورانی چہرہ دیکھ کر ہی پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ (ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب اطعام الطعام)

ایک انسان کی سچائی پر اپنوں، پرایوں، دوستوں اور دشمنوں سب کا اتفاق کر لینا ایسی عظیم الشان شہادت ہے جو ہمارے نبی ﷺ کی راستبازی اور سچائی کی زبردست اور روشن دلیل ہے۔

2۔ رسول کریم ﷺ کی امانت و دیانت

امانت و دیانت کی بنیاد نیک نیتی، دلی سچائی اور راستبازی ہے۔ رسول کریم ﷺ میں یہ وصف بھی خوب نمایاں تھا۔ آپ ﷺ اہل مکہ میں اس خوبی میں ایسے ممتاز تھے کہ سب آپ ﷺ کو صدیق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس بے خوف و خطر رکھتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر قریش نبی کریم ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ مگر حضور ﷺ کو ان لوگوں کی امانتوں کی واپسی کی فکر تھی۔ چنانچہ مکہ چھوڑتے وقت آپ ﷺ نے اپنے عمزاد حضرت علیؓ کو ان خطرناک حالات کے باوجود پیچھے چھوڑا کہ وہ امانتیں ادا کر کے مدینہ آئیں۔ آپ ﷺ کی امانت و دیانت کے بارہ میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

☆ رسول کریم ﷺ کا احساس امانت: آپ ﷺ کے دل میں امانت کا جس قدر احساس تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر کوئی گری ہوئی چیز مل جائے تو اس کا کیا کیا جائے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک سال تک اس کی نشانیاں بتا کر اعلان کرتے رہو، پھر اس کا مالک آجائے تو اسے لوٹا دو''۔ وہ کہنے لگا اگر کوئی گمشدہ اونٹ مل جائے تو اس کا کیا کریں؟ اس پر نبی کریم ﷺ بہت ناراض ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ کا رنگ سرخ ہوگیا اور فرمایا: ''تمہیں اس سے کیا، اس اونٹ کے پاؤں ساتھ ہیں، وہ درخت چرتا اور پانی پی کر زندہ رہ سکتا ہے، تم اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ خود اس کا مالک اسے پالے''۔ (بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ)

☆ نیک اخلاق کو قائم رکھنے کا واقعہ: حضرت سائب بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت عثمانؓ اور زبیرؓ مجھے اپنے ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری تعریفیں کرنے لگے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ''آپ لوگ بے شک مجھے اس کے بارہ میں نہ بتاؤ، یہ جاہلیت کے زمانے میں میرا ساتھی رہا ہے''۔ سائبؓ کہنے لگے: ''ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کتنے اچھے ساتھی تھے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اے سائب! دیکھنا جاہلیت میں تمہارے اخلاق بہت نیک تھے، اسلام میں بھی انہیں قائم رکھنا، مثلاً مہمان نوازی، یتیم کی عزت اور ہمسائے سے نیک سلوک وغیرہ پر خاص توجہ دینا''۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سائبؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تجارت میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے دن سائبؓ نے یہ گواہی دی کہ ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ﷺ نے کبھی جھگڑا نہیں کیا''۔ (مسند احمد جلد 3)

☆ غزوہ خیبر کے محاصرہ کے دوران امانت کی حفاظت کا واقعہ: غزوہ خیبر کے محاصرہ کے وقت بھوک اور فاقے کے ایام میں مسلمانوں کی امانت کا ایک کڑا امتحان ہوا۔ ہوا یوں کہ یہود کے ایک حبشی چرواہے نے اسلام قبول کر لیا اور سوال پیدا ہوا کہ اس کے سپرد یہودی کی بکریوں کا کیا کیا جائے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ہر حال میں امانت کی حفاظت کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی بھوک اور فاقہ کی قربانی دے دی مگر کیا مجال کہ آپ کی امانت میں کوئی فرق آیا ہو، یہ بکریاں دشمن کے طویل محاصرہ میں تو مہینوں کی خوراک بن سکتی تھیں۔ یہاں آپ ﷺ نے کس شان استغناء سے فرمایا کہ ''بکریوں کا منہ قلعے کی طرف کر کے ان کو ہانک دو، خدا تعالیٰ ان بکریوں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا دے گا''۔ چنانچہ نومسلم غلام نے ایسا ہی کیا اور بکریاں قلعے کے پاس پہنچ گئیں، جہاں سے قلعے والوں نے ان بکریوں کو اندر داخل کر لیا۔ سُبْحَانَ اللّٰہ! رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں بھی، جہاں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے، کس شدت کے ساتھ امانت کے اصولوں پر عمل کرتے اور کرواتے تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 4 ص 42)

مضمون کا بقایا حصہ اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 25)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جا سکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنگی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بددیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

”خدا اس کو موت دے!“

عصر حاضر میں مفتیوں، شیخ اسلاموں، ملانوں، علاموں اور نام نہاد مجددوں کی فرقہ بازی اور فتویٰ گری نے امت مسلمہ کو ایسی مسکنت کی مار سے دوچار کیا ہے کہ وہ ایک زندہ لاش بن کے رہ گئی ہے۔ صاف دکھائی دے رہا ہے مسلمان حکمرانوں کے کندھوں پر بھی طبقہ مولویاں سوار ہو چکا ہے جس کی وجہ سے یہ حکمران بھی کنوئیں کے مینڈک بن چکے ہیں، انہیں بھی نام نہاد طبقہ مولویاں کی طرح کسی بھی طرح کی روشنی بری لگنے لگی ہے۔ نتیجے کے طور پر ذلت و رسوائی مسلمانوں کا نصیب بن گئی ہے۔ غربت اور جہالت نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔

شیخ سعدیؒ اپنی کتاب ”گلستان“ میں لکھتے ہیں:۔

”ایک مستجاب الدعوات فقیر بغداد میں رونما ہوا حجاج ابن یوسف کو لوگوں نے بتایا۔ حجاج نے اس کو بلوایا اور کہا ”میرے لیے دعائے خیر کر دیجئے“۔ اس نے دعا کی ”خدا اس کو موت دے“۔ حجاج بولا ”خدا کے لیے یہ کیا دعا ہے؟“ اس فقیر نے کہا: ”یہی دعا تیرے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔“ (گلستان از شیخ سعدی صفحہ ۴۳)

ہر وہ دل جو دین اسلام سے محبت رکھتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی پرامن زندگی بخش تعلیمات کا پرچم لہرانے کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہیے کہ شب و روز وہی دعائے خیر کرے جو دانا فقیر نے حجاج کے متعلق کی تھی یعنی

”خدا ان نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں کو موت دے!“ کہ یہی دعا ان کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔

مقدس احادیث میں بھی یہ مضمون ملتا ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ لمبی زندگی ملنا بہت بڑی نعمت ہے اور برے اعمال کے ساتھ لمبی زندگی پانا برا ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیسؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا ”جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔“

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: ”جس کی عمر لمبی ہو اور بھلے کام کرتا ہو۔“ عرض کیا سب سے برا آدمی کون ہے؟ فرمایا: ”جس کی عمر لمبی ہو اور کام برے کرتا ہو۔“

حقیقت بھی یہی ہے کہ اچھے کام کرنے والے کی لمبی عمر اس کے درجات بلند کرنے کا باعث بنتی ہے اور برے شخص کی لمبی عمر مخلوق خدا اور اس کی اپنی ذات کے لیے آفت ہے۔ برے شخص کی لمبی عمر سے اس کی برائی اور شر میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مزید سے مزید تر عذاب اور لعنت کا مستحق بنتا چلا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہیے اور انسانوں کو بھی اولیت اس دعا کو دینی

چاہیے کہ اللہ اسے ہدایت دے اگر ایسا ممکن نہیں تو اسے ہلاک کر دے۔ کہ یہی اس کے لیے بہتر ہے اور دیگر انسانوں کے لیے بھی۔

جاہلیت اور شر کے دور میں مسلمان کیا کریں؟

ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر قیامت تک کے لیے پیشگوئیاں فرمائی ہیں اور جاہلیت اور شر کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے نصائح بھی فرمائی ہیں۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کے جاہلیت اور شر کے زمانے کے متعلق سوال کرنے پر فرمایا:۔

''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنا۔''

صحابہ کرام کی بھی عجیب شان تھی، اس جواب پر حضرت حذیفہؓ نے کہا:۔

کہ اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو؟ تو آپؐ فرمایا:۔

''پھر ان تمام لوگوں سے الگ ہو کر خواہ تمہیں جنگل میں جا کر درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہاری موت آجائے۔'' (حدیث نمبر: 7084 کتاب الفتن صحیح البخاری)

عصر حاضر میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ یہ منتشر ریوڑ کی مانند ہو چکے ہیں۔ نہ یہ ایک جماعت ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی متفقہ ایک امام ہے۔ عالمی طور پر تو ایک جماعت اور ایک امام کا کیا سوال، پاکستان میں تو ایک محلّہ کا بھی ایک امام نہیں، جب امام ایک نہیں تو ایک جماعت کا ہونا بھی ممکن نہیں۔ اب مسلمانوں کا نہ کوئی امام ہے اور نہ ہی جماعت ہے تو مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے تمام فرقوں اور گروہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہمیں ایک امام اور صالح جماعت عطا فرما، اور اسے پہچاننے کے لیے نگاہ فراست عطا فرما۔ ایک ہی علاقے میں بریلوی مساجد، دیوبندی مساجد، تبلیغی مساجد، شیعہ مساجد اور دیگر گروہوں کی مساجد اور ان کے امام کیا ایک جماعت قرار دیے جا سکتے ہیں اگر نہیں تو بہتر ہے کہ مسلمان جنگلوں میں چلے جائیں اور درختوں کی جڑیں کھائیں کہ یہ عمل ان گروہوں کا حصہ بننے سے بہتر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔

''اب جب بھی خلافت قائم ہوگی تو یہ دنیا کے کسی ایک خطے پر محدود نہیں ہو گی بلکہ عالمی خلافت ہوگی۔''

(خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام صفحہ ۶۵)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

''وہ جماعت جو نبوت کی بنیاد پر قائم ہو اس سے زیادہ مضبوط جماعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ میں کہتا ہوں سچی نبوت تو درکنار جھوٹی نبوت کی بھی تنظیم کی بڑی بنیاد ہے۔ اندازہ کیجیے، مرزا غلام احمد صاحب (بانی جماعت احمدیہ) کی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت احمدیہ چل رہی ہے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور لاہوری فرقہ، جس نے مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مانا وہ منتشر ہو کر ختم ہو گیا۔۔۔'' ہمارے افلاس، بدنصیبی اور بدبختی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی مذہبی جماعت نے اس بنیاد پر جماعت سازی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔۔۔ چھوٹی چھوٹی حدیثوں کی بنیاد پر دوسروں کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے کہ تم نے رفع الیدین نہیں کیا، تم نے آمین بالجہر کہہ دیا، لہٰذا ہماری مسجد سے نکل جاؤ۔'' (ندائے خلافت ۶ جون ۲۰۱۱ء صفحہ ۷)

ضیاء الحق کی نماز مولانا مفتی محمود کی نظر میں

مولانا مفتی محمود نے کہا تھا کہ ''جنرل فضل حق میرے ملنے والے ہیں۔ کہنے لگے کہ جنرل صاحب (ضیاء الحق) آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا میں جنرل ضیاء الحق سے نہیں ملنا چاہتا۔ انھوں نے مجھ سے ہی نہیں پوری قوم سے وعدہ خلافی کی ہے۔ فضل حق کہنے لگے کہ دیکھیے مولانا صاحب، جنرل صاحب (ضیاء الحق) اسلام اور اسلامی نظام کی بات تو کرتے ہیں۔ وہ پانچ وقت کے نمازی ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں۔ جبکہ پہلے حکمران اسلام کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ میں نے کہا ہاں یہ درست ہے کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ساری قوم کو گٹر میں پھینک دیا ہے اور ڈھکنا بند کر کے اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی ہے۔ آپ درست کہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں لیکن

یہ ہے جنرل ضیاءالحق کی نماز کہ اس نے قوم کو دھوکا دیا ہے۔''

(بحوالہ۔ درویش سیاست دان از سعید انور قدوائی صفحہ ۴۰)

عقیدہ انتظارِ مسیح ومہدی

مولانا عبیداللہ سندھی عقیدہ انتظارِ مسیح ومہدی کو فتنہ اور مفسرین قرآن کی غلطی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''شاہ صاحب مہدی کے قائل تھے ایک تو مہدی عباسی کے جو حدیث کا مصداق ہے اور دوسرے مہدی فاطمی کے جس کا امام (شاہ) ولی اللہ بھی انتظار کر رہے تھے۔'' ''مہدی کی ذات کو ایک شخص میں بند کرنے اور محدود بنانے کا خیال درحقیقت تورات سے لیا گیا ہے اور مفسرین نے اسی خیال کو قرآن کریم کی تفسیر میں ذکر کر کے ایک نئے فتنہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ باقی حدیث میں جس مہدی کا ذکر ہے اس سے مراد مہدی عباسی ہے۔''

''ہماری تحقیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو ایک غلط عقیدہ واضح اور پکا ہو چکا ہے کہ وہ مہدی اور مسیح کے بغیر ترقی نہیں کر سکتے، اس کو کرید کرید کر دور کر دیا جائے۔ یہ عقیدہ صرف غلطی اور غلط فہمی سے مسلمانوں میں آیا ہے۔۔۔ اس تحقیق سے ہمارا مطلب یہ بھی ہے کہ اسے اسلام کا ضروری مسئلہ قرار نہ دیا جائے اور پھر اس پر بحث کا طومار نہ کھڑا کر دیا جائے بلکہ مسلمان جاگ اٹھیں کہ ان کی ترقی صرف مہدی اور مسیح کی آمد سے وابستہ نہیں ہے بلکہ اب وہ خود اپنے دست و بازو پر بھروسہ رکھیں اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھیں۔''

(عقیدہ انتظارِ مسیح ومہدی از مولوی عبیداللہ سندھی ناشر الرحمٰن ٹرسٹ ناظم آباد کراچی۔ صفحات ۲۹، ۳۳، ۳۵)

ہم میں اور کفار میں بس نام کا فرق رہ گیا ہے!

مولانا مودودی صاحب نے فرمایا تھا:۔

''نہیں میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے میں خود بھی سوچتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچے کہ ہم آخر خدا کی رحمت سے کیوں محروم ہو گئے ہیں؟ ہم پر ہر طرف سے کیوں مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ جن کو ہم کافر یعنی خدا کے نافرمان بندے کہتے ہیں وہ ہم پر ہر جگہ غالب کیوں ہیں؟ اور ہم جو فرماں بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ہر جگہ مغلوب کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ پر میں نے جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ ہم میں اور کفار میں بس نام کا فرق رہ گیا ہے ورنہ ہم بھی خدا سے غفلت اور اس سے بےخوفی اور اس کی نافرمانی میں کچھ ان سے کم نہیں ہیں تھوڑا سا فرق ہم میں اور ان میں ضرور ہے مگر اس کی وجہ سے ہم کسی احرہ کے مستحق نہیں ہیں بلکہ سزا کے مستحق ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو کافر کرتا ہے ہم جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں اور پھر ان کی پیروی سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے کافر بھاگتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا نے لعنت کی ہے رشوت کھانے اور کھلانے والے کو جہنم کا یقین دلایا ہے سود کھانے اور کھلانے والے کو بدترین مجرم قرار دیا ہے غیبت کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے فحش اور بےحیائی اور بدکاری پر سخت عذاب کی دھمکی دی ہے مگر یہ جاننے کے بعد بھی ہم کفار کی طرح یہ سب کام آزادی کے ساتھ کرتے ہیں گویا انہیں خدا کا کوئی خوف ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جو کفار کے مقابلہ میں تھوڑے بہت مسلمان بنے ہوئے نظر آتے ہیں اور پر ہمیں انعام نہیں ملتا بلکہ سزا دی جاتی ہے کفار کا ہم پر حکمراں ہونا ہر جگہ ہمارا زک اٹھانا اسی حرم کی سزا ہے کہ ہمیں اسلام کی نعمت دی گئی اور پھر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔"

(خطبات مولانا مودودی صفحہ 42)

مشرکانہ اور کافرانہ خیالات

مولانا مودودی صاحب نے فرمایا تھا:۔

''آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کلمہ طیبہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی نہ پھلتے ہیں نہ

پھولتے ہیں کلمہ طیبہ کو ماننے کے معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے نہیں ہیں اس کے معنی دل سے ماننے کے ہیں اور اس طرح ماننے کے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ آپ کے دل میں نہ رہے اور اس کے خلاف کوئی کام آپ سے ہو نہ سکے۔ میرے بھائیو! خدارا مجھے بتاؤ کیا تمہارا حقیقت میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکانہ اور کافرانہ خیالات تم میں نہیں پھیلے ہوئے ہیں جو کلمہ طیبہ کے بالکل خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سوا دوسروں کے آگے نہیں جھک رہا ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کے قانون کی خوشی خوشی پیروی نہیں کرتا؟ کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جا کر یہ صاف نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم ورواج کو مانتے ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جن کو دنیوی فائدوں کے لئے خدا کے قانون کی کسی دفعہ کو توڑنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا؟ کیا تم میں وہ لوگ موجود نہیں ہیں جن کو کفار کے غضب کا ڈر ہے مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفار کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر خدا کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفار کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انہیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدارا سچ بتاؤ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر جس مونہہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمہ طیبہ کو ماننے والے ہیں اور اس کے باوجود ہم نہ پھولتے پھلتے ہیں۔ پہلے سچے دل سے ایمان تو لاؤ اور کلمہ طیبہ کے مطابق زندگی اختیار تو کرو پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے تو معاذ اللہ معاذ اللہ اپنے خدا کو جھوٹا سمجھ لینا کہ اس نے تمہیں غلط بات کا اطمینان دلایا ہے۔''

(خطبات از مولانا مودودی صفحہ 69۔68)

جماعت اسلامی کا مطالبہ

مولانا مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی نے مسلمان کی تعریف کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے مسلمان کی تعریف تیار کرنے والوں کے سامنے درج ذیل نکات رکھے تھے:۔

مسلمان کی تعریف کے مسئلہ کے سوچنے والے حضرات یہ بات پیش نظر رکھیں کہ مسلمان ملحد بھی ہوتا ہے مسلمان سرمایہ پرست بھی ہوتا ہے مسلمان سوشلسٹ اور کمیونسٹ بھی ہوتا ہے مسلمان عقیدہ ختم نبوت کا مخالف بھی ہوتا ہے مسلمان منکر سنت بھی ہوتا ہے مسلمان اسمگلر بھی ہوتا ہے مسلمان قمار باز اور شرابی بھی ہوتا ہے مسلمان سرمست رقص وغنا بھی ہوتا ہے مسلمان سود اور رشوت کا چکر بھی چلاتا ہے مسلمان چور اور ڈاکو اور جیب تراش بھی ہوتا ہے مسلمان تشدد کار بھی ہوتا ہے مسلمان عریانی فحاشی کا فدائی بھی ہوتا ہے مسلمان دشمن کا جاسوس اور عالمی قوتوں کا آلہ کار بھی ہوتا ہے مسلمان تثلیث پرست اور علاقائیت کا اسیر بھی ہوتا ہے مسلمان وعظوں اور فتووں کا کاروبار بھی کرتا ہے مسلمان فرقے بنا کر ان کو لڑاتا بھی ہے ہمیں اگر تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول متفقہ تعریف ہے تو وہ اتنی جامع اور وسیع اور ترقی پسندانہ ہونی چاہئے کہ اس میں مسلمانوں کی تمام اقسام سما جائیں ورنہ تعریف متفقہ نہ ہو سکے گی"

(روزنامہ جسارت 25 مئی 1972ء)

☆☆☆☆☆

”فریب“ (افسانہ نگار: محمد نعیم یاد)

جب سے اُسے نئے محلے میں مکان ملا تھا اس کی کیفیت بدل گئی تھی۔ وہ عمر کے اُس حصے میں تھا جہاں اُس کو قدم قدم پر اکیلے پن کا احساس ہوتا۔ ویسے بھی اتنے بڑے شہر میں کئی نرم و نازک چہرے تھے جو اس کے اندر اس احساس کو پروان چڑھاتے رہتے۔ کبھی کبھی اس کو محسوس ہوتا جیسے اس کا یہ احساس اب بڑھ کر ایک بہت بڑا تن آور درخت بن گیا ہے۔ ویسے بھی بہت کچھ تھا اس کی بڑھوتری کے لیے۔۔۔ شہر کی گلیوں بازاروں، بس سٹاپوں اور سینماؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے سیاہ برقعوں سے جھانکتے ہوئے سفید چہرے، اَدھ کھلے اور پورے کھلے چہرے گول اور بیضوی چہرے لپ اسٹک جوڑے، کاجل کے دوڑے۔۔۔ وہ ان چہروں سے نظریں ہٹانے کی کوشش کرتا تو نیم عریاں جسم اس کی نگاہوں میں ابھرنے لگتے نئی وضع کا تنگ لباس۔۔۔ ہر طرف حسن کے دریا بہتے نظر آتے تو اس کا من اس دریا میں غوطے لگانے کو کرتا۔

شام کو تھکا ہارا جب وہ مکان کو لوٹتا تو اپنا کھانا ساتھ ہی لاتا اور پھر کمرے میں بیٹھ کر کھا لیتا۔ ایک دن وہ کھانا کھا رہا تھا جب اسے دروازے پہ دستک محسوس ہوئی۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی نے یہ دستک اس کے دل پہ دی ہو۔ وہ باہر کو لپکا جب کالی چادر میں چھپا آدھا چہرہ پلیٹ میں مٹھائی لیے اس کے سامنے تھا۔

بات سنیے یہ امی نے بھجوائی ہے آج ہمارا بھتیجا پیدا ہوا ہے تو اس خوشی میں۔۔

آپ۔۔۔۔ وہ وہیں ساکت ہو گیا۔

جی میں یہ آپ کے پڑوس میں ہی رہتی ہوں۔

اس نے پلیٹ خالی کر کے واپس کی تو وہ چلی گئی مگر اسے لگا جیسے وہ خالی نہیں گئی تھی اس کا سب کچھ اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔

وہ نہ جانے کہاں کہاں تک اجنبی چہروں سے دل بہلاتا پھرتا رہا تھا اور وہ تو اس کے قریب تھی۔ پھر اس کے اندر ایک نئی تبدیلی آنے لگی۔ اندر کے درخت پر پھول اُگ آئے تھے اور ان پھولوں کی مہک میں اس کا ایک ایک پل گزرنے لگا۔ وہ ایک ایک پل اس کے حصار میں رہنے لگا۔ وہ اس کو دیکھنے کو ترستا۔ کبھی جاتے جاتے وہ اس کو نظر آجاتی تو سارا دن اس کا سکون میں گزرتا ورنہ وہ ہر پل اس کے فراق میں گھلتا رہتا۔ ایک دن دفتر سے واپسی پہ اس کے ساتھی اس کو فلم دکھانے لے گئے۔

فلمی ہیروئن کو دیکھتے ہی اسے محسوس ہوتا جیسے اس کا چہرہ اس کے چہرے کے ساتھ بدل گیا ہو پر ہیرو۔۔۔ ہیرو کا چہرہ نہ جانے کیوں نہیں بدلا تھا۔ اس کا دل کرتا کاش وہ ہیرو ہوتا کسی نہ کسی طریقے اس کو متاثر کرتا اور پھر اسے بیاہ کر کے گھر لے آتا۔

اس کی بے چینی بڑھنے لگی کبھی کبھی اس کو لگتا جیسے اس کے اندر احساس کے اس درخت کے پھول گل سڑ گئے ہوں ان سے خوشبو کی بجائے تعفن کی بدبو آنے لگتی تب وہ بے چین رہنے لگا۔ بے چینی میں وہ گھر سے باہر نکل آتا اور اس کی راہ تکتا شاید وہ گھر سے نکلے۔ ایک دن محلے کے نوجوان امام مسجد سے اس کا تعارف ہوا تو وہ اس کے ساتھ گھل مل گیا۔ امام مسجد عمر دراز بھی نوجوان تھا چہرے پہ نئی نئی اُگی ڈاڑھی اس کے حسن کو بڑھا رہی تھی۔ وہ بھی فارغ وقت میں اس کی بیٹھک میں آجاتا۔ تعلق جب بڑھ جائے تو تکلفات بھی ختم ہو جاتے ہیں تبھی ایک دن اس نے امام سے دل کی بات کہہ دی۔

مولوی عمر دراز نے کانوں کا ہاتھ لگایا اور فوراً کھڑا ہو گیا۔۔۔۔ توبہ توبہ کیسی باتیں کرتے ہو، اسلام میں تو نامحرم کو نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے اور تم اسے ملنا چاہتے ہو۔

وہ اس کو کیا سمجھاتا، رہ رہ کر اسے اپنی کم عقلی اور بے وقوفی پہ غصہ آتا کہ اس نے یہ بات مولوی سے کہہ کیوں دی۔ بڑی مشکل سے اس نے اس بات کو ٹالا اور اسے بٹھایا مگر اس کے بعد وہ جب بھی ملنے آتا اسے پند و نصیحت کرنے بیٹھ جاتا۔ وہ اس کو دلائل دیتا مذہب سمجھاتا پر وہ اس کی باتوں کا جواب دینے کی

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

بجائے بس سر دھنتا رہتا۔

ایک دن اس کی قسمت رنگ لائی اور وہ اسے نظر آ گئی اس نے اِدھر اُدھر دیکھا جب کوئی اور نظر نہ آیا تو اس سے بات چیت کرنے کے لیے اس کے پاس چلا گیا۔منہ سے تو کچھ کہہ نہ پایا پر آنکھوں ہی آنکھوں میں دونوں نے ایک دوسرے کو بہت کچھ کہہ ڈالا۔وہ خوش رہنے لگا۔پھر روز ہی کن اکھیوں سے ملاقاتیں ہونے لگیں۔اسے لگتا جیسے اس کے اندر احساس کے پیڑ سے پھر سے خوشبو آنے لگی ہو۔مولوی عمر دراز آتا اپنی تقریر جھاڑتا پر وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا رہتا۔

پھر کسی نہ کسی بہانے ملاقات کا موقع ملنے لگا۔اسے خوشی ہوئی کہ وہ بھی اسے پسند کرنے لگی تھی۔

ایک دن وہ اسے کہنے لگی "تم ڈاڑھی کیوں نہیں رکھ لیتے؟ دیکھو ہمارے مولوی صاحب کو کتنی پیاری لگتی ہے۔"

اسے لگا جیسے اس اندر لگے درخت کے پھولوں پہ چیونٹیاں اور شہد کی مکھیاں چڑھ گئی ہوں جو اس کے اندر کا رس نچوڑ رہی ہوں۔مولوی عمر دراز سے اس کو چڑ سی ہونے لگی مگر وہ پھر بھی روز آ جاتا۔اب وہ اس کے آنے سے کھَرا اُٹھتا۔ایک دن اس سے باتیں کرتے مولوی عمر دراز نے دیکھ لیا۔وہ جلدی سے اندر چلی گئی۔مولوی عمر دراز نے اس دن اس سے بات نہ کی۔وہ حیران تھا کہ مولوی آج اسے خوب جھاڑ پلائے گا مگر وہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا، بے چین سا۔تھوڑی دیر بعد وہ اس کی بیٹھک سے چلا گیا۔

دو تین دن گزر گئے نہ مولوی عمر دراز آیا اور نہ ہی وہ گھر سے نکلی تھی۔ایک عجیب سی بے چینی کی فضا تھی۔اس نے مسجد میں جا کے ایک دو لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا مولوی صاحب دو دن سے غائب ہیں کچھ بتا کر نہیں گئے۔مولوی عمر دراز کی تو خیر تھی مگر وہاں کی خاموشی اس کے اندر کو کھا رہی تھی۔وہ بے چینی میں شام کو بیٹھک سے باہر نکلا تبھی ستو مراشن ان کے گھر سے نکلی۔

مجھے تو پہلے ہی شک تھا اس لڑکی کے لچھن اچھے نہیں۔۔۔وہ بڑبڑاتی ہوئی جا رہی تھی۔۔۔

کیا ہوا خالہ؟ خیر تو ہے؟

اس نے ایک نظر پیچھے مڑ کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی "زمانہ بہت خراب ہے پتر بندہ کس پہ اعتماد کرے۔"

ہوا کیا ہے خالہ؟

یہ جو تمھارے پڑوس میں گھر ہے ناں۔۔۔ان کی جوان کُڑی اپنے مولوی صاحب کے ساتھ بھاگ گئی۔

کیا؟؟؟؟ کیا کہہ رہی ہو خالہ؟

ہاں پتر اب آگے مت بتانا ان کی عزت کا سوال ہے۔وہ تو آج اس کے کمرے سے خط نکلا تو پتہ چلا کہ وہ مولوی صاحب کے ساتھ بھاگی ہے۔ان دونوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔اچھا اب میں چلتی ہوں۔۔۔

بڑی مشکل سے اس نے خود کو سہارا دیا۔

تم ڈاڑھی کیوں نہیں رکھ لیتے ہمارے مولوی صاحب کو کتنی پیاری لگتی ہے۔۔۔۔۔۔اور پھر مولوی عمر دراز کی باتیں۔۔۔۔" توبہ توبہ اسلام میں تو نامحرم کو نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے اور تم اسے ملنا چاہتے ہو۔"

اسے لگا جیسے اس کے اندر احساس کے اس درخت پہ لگے پھولوں سے سارا رس نکل گیا ہو۔اور اب رہ جانے والے کانٹے اس کے اندر کے وجود کو تار تار کر رہے تھے۔

اک مولوی کی آنکھ میں بینائی آ گئی
جب ریل میں کسی کا گریبان کھل گیا
لوٹے وہ جب سفر سے کنیزوں نے یہ کہا
بھاگو جناب شیخ کا سامان کھل گیا

خالد عرفان

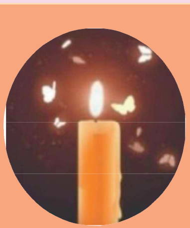

شعروشاعری

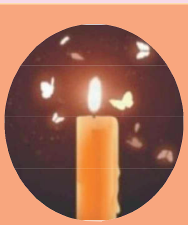

”جوحسن خلق ہی نہیں تو سب کمال مستر د“

مبارک صدیقی

دعا میں التجا نہیں تو عرض حال مسترد
سرشت میں وفا نہیں تو سو جمال مسترد
ادب نہیں تو سنگ و خشت ہیں تمام ڈگریاں
جو حسن خلق ہی نہیں تو سب کمال مسترد
عبث ہیں وہ ریاضتیں ، جو یار نہ منا سکیں
وہ ڈھول تھاپ بانسری وہ ہر دھمال مسترد
کتاب عشق میں یہی لکھا ہوا تھا جا بجا
بجز خیال یار کے ہر اک خیال مسترد
کہو ، سنو ، ملو مگر بڑی ہی احتیاط سے
مٹھاس بھی تو زہر ہے جو اعتدال مسترد
وہ شخص آفتاب ہے میں اک چراغ کج ادا
سو اس حسین کی بزم میں مری مجال مسترد
تو کیا کوئی گلاب ہے؟ حسین میرے یار سے
وہ لاجواب شخص ہے ، سو یہ سوال مسترد
بچھڑ کے ایک شخص سے ، لہو لہو ہے دل مگر
رضائے یار اس میں ہے تو پھر ملال مسترد
میں معترف تو ہوں ترا مگر اے چاند معذرت
کہ ذکر حسن یار میں تری مثال مسترد
حساب عمر دیکھ لو کہ پھر پل صراط پر
یہ نفس کے اگر مگر ، فریب چال مسترد

”ہمارے دل کی مانوتو تمہیں بھی رازداں کرلیں“

منیر باجوہ

بسا ہے پیار جو دل میں وہ آنکھوں سے عیاں کر لیں
زباں چُپ ہو تو نظروں سے محبت کو بیاں کر لیں
زمانے کیا بگاڑا ہے جو تُو راہ میں رکاوٹ ہے
ہمارے دل کی مانو تو تمہیں بھی رازداں کر لیں
بہت دیکھے ہیں دنیا میں جلا دیتے ہیں آہوں سے
بجھا کر آگ نفرت کی چلو ہم گلستاں کر لیں
ترے رنگِ تغافل کو بھلا سکتا ہوں میں کیسے
بھلا کر لغزشیں پچھلی تبسم دوستاں کر لیں
محبت یار کی دل میں ، تلاطم یوں بپا کر دے
کہ ہر لمحہ ہی یادوں میں اسے ہم آستاں کر لیں
محبت کی چنگاری جو چھپی رہتی ہے سینے میں
گلے لگ آ میرے ہمدم اسے ہم کہکشاں کر لیں
میرے پاؤں میں لرزش ہو سنبھالا دے محبت کا
منیر بے نوا چاہے کہ الفت جاوداں کر لیں

”ظالم نے اپنا کام کیا اور گزر گیا“

کیف مرادآبادی

غم نے دلوں کو رام کیا اور گزر گیا
ظالم نے اپنا کام کیا اور گزر گیا
صیاد کچھ تو خاطر اہل وفا کرے
یہ کیا اسیر دام کیا اور گزر گیا

اے ساقیٔ بہار ترے ذوق کے نثار
ہر گل کو ایک جام کیا اور گزر گیا
آیا تھا بت کدہ بھی مری راہ شوق میں
میں نے تو اک سلام کیا اور گزر گیا
یہ کائنات ہے کہ کسی نے بصد حجاب
اک خاص جلوہ عام کیا اور گزر گیا
آیا قریب کیفؔ کوئی مست ناز حسن
ڈالی نظر غلام کیا اور گزر گیا

”ہر موڑ پہ دنیا سے خفا تھے تو ہمیں تھے“

اطہر رازؔ

پھولوں سے بہاروں میں جدا تھے تو ہمیں تھے
کانٹوں کی چبھن پہ بھی فدا تھے تو ہمیں تھے
بازار تمنا میں تو ہر شخص مگن تھا
ہر موڑ پہ دنیا سے خفا تھے تو ہمیں تھے
جس بت کو تصور میں خدا مان لیا تھا
اس بت کی نگاہوں میں خدا تھے تو ہمیں تھے
احباب کو حالات کی سازش کا گلا تھا
ہر حال میں راضی بہ رضا تھے تو ہمیں تھے
گرتی ہوئی دیوار کا سایہ تھا ترا ساتھ
پھر بھی تری باہوں سے جدا تھے تو ہمیں تھے
آئینۂ ایام کی رنگین فضا میں
اے رازؔ گرفتار بلا تھے تو ہمیں تھے

”اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے“

حسرتؔ موہانی

توڑ کر عہد کرم نا آشنا ہو جائیے
بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے

میرے عذر حرم پر مطلق نہ کیجے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے
خاطر محروم کو کر دیجئے محو الم
درپئے ایذائے جان مبتلا ہو جائیے
راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو از راہ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جائیے
گر نگاہ شوق کو محو تماشا دیکھیے
قہر کی نظروں سے مصروف سزا ہو جائیے
میری تحریر ندامت کا نہ دیجے کچھ جواب
دیکھ لیجے اور تغافل آشنا ہو جائیے
مجھ سے تنہائی میں گر ملیے تو دیجے گالیاں
اور بزم غیر میں جان حیا ہو جائیے
ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پر جفا ہو جائیے
جی میں آتا ہے کہ اس شوخ تغافل کیش سے
اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے
کاوش درد جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائل آرام و مشتاق شفا ہو جائیے
ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دل مایوس میں
یعنی آخر بے نیاز مدعا ہو جائیے
بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانۂ عہد وفا ہو جائیے
ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جائیے
چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے
تیرے اس طرز تغافل کے فدا ہو جائیے
کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرتؔ جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمان قضا ہو جائیے

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

”یوں نہ روتا دل مرا ہوتا اگر کافر شناس“

راجہ محمد یوسفؔ خان

چین لینے دے مجھے اے شورشِ سوزِ دروں
سانس لینے دے مجھے اے دیدۂ منظر شناس

وہ سبھی کچھ تھا فریبِ جلوۂ حسنِ خیال
یوں نہ روتا دل مرا ہوتا اگر کافر شناس

فتنہ گر دل کھول کر کرتے رہے توہینِ مے
کُنج میں بیٹھا رہا اِک تشنہ لب ساغر شناس

پھر تری نظرِ کرم ثروت پرستوں پر پڑی
تُو نے کنکر چُن لیے ہیں اے مرے گوہر شناس

پوچھتے ہیں ہم سے یوسفؔ اُن ستاروں کے مزاج
جِن کی چالوں کو سمجھ پاتے نہیں اختر شناس

”چاند رویا تو ہو گیا رسوا“

بشارت سکھیؔ صاحبہ۔ جرمنی

اشک چھلکا تو ہو گیا رسوا
زخم مہکا تو ہو گیا رسوا

شب کی پلکوں سے کوئی خواب گرا
گر کے ٹوٹا تو ہو گیا رسوا

جب گلے لگ کے ہجر کے شب کو
چاند رویا تو ہو گیا رسوا

تلخیوں کی زباں سے جب بھی کبھی
زخم ادھڑا تو ہو گیا رسوا

گل کے ہونٹوں پہ گیت چاہت کا
ہائے لکھا تو ہو گیا رسوا

شاخِ مژگاں سے عکس یادوں کا
جب بھی ڈھلکا تو ہو گیا رسوا

درد کے دائروں سے دیکھو سکھیؔ
صبر چھلکا تو ہو گیا رسوا

”مزہ تو بس ترے ہی پیار میں ہے“

نیلم رباب صاحبہ۔ لندن

نشّہ جیسے ترے اقرار میں ہے
خمار ایسا رُخِ دلدار میں ہے

میں خود کو بھولتی جا رہی ہوں
اگن کیسی ترے انکار میں ہے

سنو اچھا نہیں ہے یوں ستانا
مزہ تو بس ترے ہی پیار میں ہے

کہو کیسا لگا مل کر بچھڑنا
نہیں طاقت دل لاچار میں ہے

ترے اشکوں کی قیمت لگ رہی ہے
خبر پہنچی ہوئی سنسار میں ہے

غموں سے واسطہ پڑتا ہے جس کو
وہ جانے لطف جو آزار میں ہے

تخیل کی مری بستی سج گئی ہے
یوں ہی عروج نیلمؔ افکار میں ہے

”کیا کیا کرم ہیں مجھ پہ مرے کردگار کے“

گوپال متل

دور فلک کے شکوے گلے روزگار کے
ہیں مشغلے یہی دل ناکردہ کار کے

یوں دل کو چھیڑ کر نگہ ناز جھک گئی
چھپ جائے کوئی جیسے کسی کو پکار کے

سینے کو اپنے اپنا گریباں بنا کے ہم
قائل نہیں ہیں پیرہن تار تار کے

کیا کیجیے کشش ہے کچھ ایسی گناہ میں
میں ورنہ یوں فریب میں آتا بہار کے

اک دل اور اس پہ حسرت ارماں کا یہ ہجوم
کیا کیا کرم ہیں مجھ پہ مرے کرد گار کے

ہم کو تو روز حشر کا بھی کچھ یقیں نہیں
کیا منتظر ہوں وعدہ فردائے یار کے
کس دل سے تیرا شکوہ بیداد کر سکیں
مارے ہوئے ہیں ہم نگہ شرمسار کے

”اندازِ محبّت تو پڑھایا نہیں جاتا“

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

جس چہرے سے نظروں کو ہٹایا نہیں جاتا
اس چاند کو دنیا سے چھپایا نہیں جاتا
توڑا ہے اگر دل تو اکٹھے کرو ٹکڑے
یوں کانچ کو رستے میں بچھایا نہیں جاتا
وہ سنتے نہیں گر تو چلیں آنکھوں سے بولیں
چپ رہ کے تو اب شور مچایا نہیں جاتا
اپنوں کے لئے جان بھی حاضر ہے ہماری
روٹھے ہوئے دشمن کو منایا نہیں جاتا
اِخلاص تو چہرے سے اداؤں سے عیاں ہو
اندازِ محبّت تو پڑھایا نہیں جاتا
خوں دے کے شہیدوں میں جو طالع ہوئے شامل
قربانی کو ان کی تو بُھلایا نہیں جاتا
جو عہدِ وفا باندھ کے اب بھول گئے ہیں
کیا ان کو کبھی یاد کرایا نہیں جاتا
کہنے کو تو سب کچھ ہی ترا اُس کا ہوا ہے
جب اُس نے کہا آؤ تو جایا نہیں جاتا
طارقؔ مجھے قسمت سے یہ انعام ملا ہے
میں کیوں یہ کہوں پیار نبھایا نہیں جاتا

امین راز ہے مردان حر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبت خویشی
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

”بزمِ اِبلیس“

حافظ عطاء کریم شآد

اپنے انکارِ سجدہ کی تلبیس میں
آج پھر ایک آدم کی تنقیص میں
اور تحقیر میں
کتنی ہی دیر تک بزمِ اِبلیس میں
شور برپا رہا کہہ دو کافر اِسے!
کہہ دو کافر اِسے! کہہ دو کافر اِسے!
جتنے با ریش تھے پر ریا کار تھے
بے عناں ہو گئے
اہلِ محراب و منبر طمع دار تھے
سگ دہاں ہو گئے
فتنہ سازی میں ثانی جو رکھتے نہ تھے
حکمراں ہو گئے
جتنے زانی شرابی سیاہ کار تھے
یک زباں ہو گئے
چشمِ افلاک کیا تو نے دیکھا نہیں!
کیسے باریش تھے اور کلاہ دار تھے
کیسے ابلیس کے یہ سپہ دار تھا
اِن کے رستے میں کوئی نہ دیوار تھی
ہر طرف اِن درندوں کی یلغار تھی
میرے گھر لُٹ گئے ، مال و زر لُٹ گئے
میری محنت کے سارے ثمر لُٹ گئے
دستِ باطل سے پھر زخم کھائے ہوئے
کتنے لاشے اُٹھے خوں نہائے ہوئے
حق کی تقدیر میں ، حق کی تاریخ میں
یہ تو ہونا ہی تھا ، یہ تو ہو کر رہا
پر اے ربّ الوریٰ! عادلِ کن فکاں!

تیری دنیا میں پھر آج کیا ہو گیا!
وہ جو قاتل لٹیرے تھے مفتی ہوئے
جو چنیدہ تھے فاجر وہ منصف بنے
بحث و تمحیص میں ، مکرِ ابلیس میں
داد و فریاد گُم ، عدل و انصاف گُم
نہ ہی دادِ ستم ، نہ قصاصِ لہو
اِک ضلالت تھی جو چار سُو چھا گئی
ہر نظر میرے ایمان پر آ گئی
اپنے انکارِ سجدہ کی تلبیس میں
میرے ایمان پر بحث و تمحیص میں
حقّ کی تقدیر میں رسم زندہ ہوئی
حرمِ ایمان پر کفر قاضی بنا
یاد تازہ ہوئی قصرِ فرعون کی
سحر و اعجاز کی، رزمِ بے داد کی
کسرِ اصنام کی، حجّتِ تامّ کی
نارِ نمرود کی ، اور براھیم کی
شورِ ملاّئیت ملکِ صیہون کی
دار بَر دوش اِک عبدِ معصوم کی
دارِ ندوہ و اجلاسِ کفّار کی
فتوٰی صابی بَر شاہِ لولاکﷺ کی
ہاں! وہی سانحہ ہاں! وہی فیصلہ
پھر سے اِجماعِ کفر و ضلالت ہوا
جوہرِ بد تماشی عدالت ہوا
حقّ کو حاصل تھی کثرت جو اعجاز کی
کفر کو اس پہ اعجازِ کثرت ملا
کفر تھا مدّعی ، کفر منصف بھی تھا
کیسے ایمان سے خود کو قاصر لکھے؟

کفر مجبور تھا مجھ کو کافر لکھے!
سو جو ایمان سے خود تہی دست تھے
میرے ایمان کا فیصلہ دے گئے!
کفر پھر ملّتِ واحدہ بن گیا
یہ بھی اعجاز تھا میں ہی تنہا رہا
قولِ کافر پہ خود کفر لازم ہوا
قولِ کافر سے کیونکر میں کافر ہوا؟
جتنے فرمان تھے حرفِ آخر ہوئے
کہہ کے کافر مجھے سب ہی کافر ہوئے

”اس کے ناز اُٹھانے کو جی چاہتا ہے“

شمشاد احمد چودھری

درِ یار جانے کو جی چاہتا ہے
حالِ دل سنانے کو جی چاہتا ہے
تھکوں نہ میں اسے دیکھتے دیکھتے
پہلو میں بیٹھانے کو جی چاہتا ہے
سُنو میں جب تک وہ بولنا چاہے
اور کچھ اپنی سنانے کو جی چاہتا ہے
جو گھائل ہے اس کی محبت میں اب تک
وہ زخمی دل دیکھانے کو جی چاہتا ہے
اُداس چہرہ اسے بھاتا نہیں ہے
اسکو ہنسانے کو جی چاہتا ہے
دکھ اس کے سارے میں لے لو گا خود پہ
اُسے گلے سے لگانے کو جی چاہتا ہے
کوئی اُسے بتائے کہ وہ زندگی ہے میری
اس کے ناز اُٹھانے کو جی چاہتا ہے
ہے وہ خفا گر میری ذات سے تو
اس کو منانے کو جی چاہتا ہے

سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل

ملاؤں کی کانفرنس

ہاشم عظیم آبادی

جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ ایک اشتہار میری طرف بڑھا دیا گیا۔ میں پڑھنے لگا۔ لکھا تھا، ''آپ حضرات سے التجا ہے کہ ملاؤں کی کانفرنس میں شریک ہو کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔لیکن کانفرنس میں شرکت کے لئے 'مولوی' ہونے کی سند لازمی ہے۔تاہم غیر مولوی یعنی جو مولوی نہیں ہیں وہ بھی شرکت فرما سکتے ہیں بشرطیکہ پنڈال میں داخلہ کے وقت کم از کم سوا بالشت داڑھی چہرے پر لہرا رہی ہو۔ ورنہ پنڈال کے باہر ہی روک دیا جائے گا۔''

میرے پاس ایک مصنوعی داڑھی تھی۔ سوچا چلو رہے ایک دلبستگی اور پھر جمعہ کا دن فرصت کا تھا بھی۔ پنڈال کے ایک کونے میں اونچا سا چبوترہ مقرروں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے ایک طرف مٹی کے بہت سے لوٹے اور دوسری جانب مٹی کے ڈھیلے پڑے تھے۔ میں نے دریافت کیا، ''اجی مولانا صاحب! اس قدر مٹی کے ڈھیلے یہاں کیوں جمع کئے گئے ہیں۔''

''واہ حضرت واہ!'' میرے اس سوال پر مولانا گرم ہوئے۔ ''آئے ہیں کانفرنس میں شرکت کے لئے اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کلوخ کے ڈھیلے ہیں۔۔۔ ادھر دیکھئے، وہ رہے مٹی کے چکّر۔ اسی میں ہم لوگ پانی پئیں گے۔ جی ہاں۔ یہاں شان وشوکت تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو اللہ والوں کا اجتماع ہے۔'' اتنا کہہ کر مولانا نے چکّر سے پانی پیا، پھر ایک ہاتھ میں کلوخ کا ڈھیلا اور دوسرے ہاتھ میں مٹی کی بدھنی لٹکاتے آگے بڑھ گئے۔

کچھ مولوی صاحبان پہلے سے آئے ہوئے تھے۔ میرے پہنچنے کے بعد تو گویا تانتا بندھ گیا۔ میں نے ایک بات مارک کی۔ یعنی زیادہ تعداد ایسے مولوی صاحبان کی تھی جن کی توند نکلی ہوئی تھی۔ ممکن ہے برابر مرغن غذا کھانے کے باعث چربی کا فساد ہو۔اس کے علاوہ کثرت سے ایسے ڈیلیگیٹس تھے۔ جن کے ہاتھوں لمبی لمبی تسبیح تھی۔ جن پر انگلیوں سے شغل فرمایا جا رہا تھا۔ ایسے حضرات اگر چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گفتگو کر رہے تھے، تو ان کی انگلیاں تسبیح کی پٹری پر پنچانوے 95 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی تھیں۔

کانفرنس کی افتتاح کے لئے جو مولانا کھڑے ہوئے ان کا اسمِ مبارک تو معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن 'جنت کے ٹھیکہ دار' کے نام سے مشہور تھے۔ مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر اپنے والد مرحوم کے نام فاتحہ پڑھوا کر ایک نظم نہایت ہی ترنم کے ساتھ شروع کی جس کا ٹیپ کا بند تھا، ''سرکار دو عالم آ جاؤ'' مولانا موصوف کے پیٹھ پھیرتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک صندوق لڑھکتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ لیکن جب وہ صندوق مائک کے پاس آ کر ٹھہر گیا، تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو لحیم شحیم قسم کے مولوی صاحب ہیں۔ انہوں نے آتے ہی اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ میرے سامنے سے ایسی واہیات چیز فوراً ہٹائی جائے (یہ اشارہ تھا مائک کی طرف) کیونکہ جب اس مشین کے ذریعہ آئی ہوئی چاند کی خبروں پر اعتبار نہیں کیا جاتا، تو میری تقریر کا مولوی بھائیوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کے فضل سے میری آواز ہی اس قدر گرجدار ہے کہ ''رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے''

''امابعد۔ چونکہ ہم مولوی لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے کسی کو بھی ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا میرا قطعی فیصلہ ہے کہ ہر مولوی بھائی اپنی اپنی جگہ پر اپنے کو صدر تصور کر لے (تالیاں) تو اب آپ حضرات کے سامنے مشہور ومعروف مولوی حضرات 'ریش حنائی' چٹنوی تشریف لا کر اظہار خیال فرمائیں گے۔''

حضرت 'ریش حنائی' تشریف لاتے ہیں۔ ذرا آپ کا حلیہ ملاحظہ ہو، حنائی ریش، سرخ آنکھوں میں سرمہ، لٹیں مہکی ہوئیں، زلفیں معطر۔ جوش نے غالباً انہیں بزرگ کے لیے کہا ہے

یہی ہوں گے جو فردوس بریں میں
خدا کے فضل سے حوروں کے شوہر

حضرت 'ریش حنائی' نے تشریف لاتے ہیں پنی علمیت کا سکہ جمانے کے لئے مثنوی مولانا روم کے اشعار پڑھنا شروع کئے

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است مجنوں

''جی ہاں، اس وقت میرا گلا کھسکھسا رہا ہے اس لئے آواز پھٹی پھٹی نکل رہی ہے، ورنہ میں تو نہایت ہی سریلا اور خوش گلو واقع ہوا ہوں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آج ہی گلا چوپٹ ہو گیا۔ خیر۔ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ۔ تو بھائیو آمدم بر سر مطلب۔ یعنی ہم لوگ اس پنڈال کے اندر اس قدر کثیر تعداد میں کیوں جمع ہوئے ہیں، تو صاحبو! آپ لوگ میری چھ ورقی کتاب 'اغراض ومقاصد' پڑھ کر اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ لہٰذا انہیں باتوں پر اس وقت ہمیں غور وخوض کرنا ہے۔

خدا شاہد ہے بھائیو، یہ زمانہ خصوصاً ہم مولویوں کے لئے ایسا ناقص ہے کہ ہمارا معیار زندگی ہی باقی نہ رہا (رونی صورت بنا کر) افسوس! نئی پود اور نئی روشنی کے لوگوں کی نگاہوں میں ہماری عزت ووقعت درکنار، ہم ایک عجوبہ شے بن کر رہ گئے ہیں۔ دور کیوں جائیں۔ خود ہمارے بیٹوں پر بیرونی ہوا کا اس قدر اثر ہے کہ وہ بھی ہم پر منہ آنے لگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ''بابا جان، اب لمبی لمبی داڑھیوں کا زمانہ نہیں۔ اس قدر مہین لب ترشوانے سے تو استرہ پھروا دینا بہتر ہے۔'' نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔۔۔ اور تو اور، یہ کمبخت کہتے ہیں، ''بابا جان، ٹخنے سے اوپر پاجامہ کیوں پہنتے ہیں۔ سر کیوں گھٹواتے ہیں۔ آنکھوں میں سرمہ اور داڑھی میں خضاب کیوں لگاتے ہیں۔۔۔'' کہئے تو صاحب، اپنی اولاد اور ایسی ناقص! یہاں تک تو خیر قابل برداشت بھی ہے۔ اجی صاحب، اس پرانی وضع قطع میں ہمیں راستہ چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ جس کو دیکھو کچھ عجیب نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ جی ہاں! سوٹ بوٹ پہن کر اور زنخے کی شکل بنا کر نکلئے تو یہ سر پھرے بڑے خوش ہوں گے۔ تیری ایسی کی تیسی۔''

مولانا کا چہرہ مارے غصہ کے سرخ ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں جو ایک ہوائی گھونسہ چلاتے ہیں، تو وہ جا لگتا ہے بغل میں بیٹھے ہوئے مولانا کے کلہ پر۔ وہ بھی اس زور سے کہ چشمہ چور چور ہو جاتا ہے۔ قریب تھا کہ دونوں مولانا آپس میں گتھ جائیں، مگر لوگوں نے دوڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔

''حضرت چکی بنڈول پوری تشریف لاتے ہیں۔''

مولانا چکی نے اپنی داڑھی پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا، ''بھائیو! یہی وہ شئے ہے، جو

جو ہمیں جنت میں لیجائے گی۔ لیکن لعنت ہو ایسی اولاد پر جو اس کی قدر و قیمت سے نا آشنا ہو۔۔۔ دوستو، فی زمانہ ہم مولوی بھائیوں کو دنیا جس نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے متعلق میرے کرم فرما مولانا ریش حنائی نے نہایت ہی واضح نقشہ آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس ضمن میں مجھے یہ کہنا ہے کہ جب نئی تہذیب کے دلدادے ہمیں آنکھ نہیں لگاتے۔ ہمیں لکیر کے فقیر کہہ کر نظر انداز کرتے ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ کسی کے مرتے ہی لوگ ہمارے گھروں کی خاک اڑا دیتے ہیں۔۔۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر ایسے نازک موقع پر ہماری قوم اکڑ جائے، تو واللہ لاش پڑی پڑی سڑ جائے اور کوئی نماز پڑھانے والا نہ ملے۔

میں یہ بھی عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ جب خوشی کے موقع پر ہمیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایسے نحوست کے وقت ہم ان کا ساتھ دیں۔۔۔ رونا تو یہ ہے کہ میرے مولوی بھائیوں کو ذرا بھی اس بات کا احساس نہیں۔ میت کی خبر ملتے ہی دوڑ پڑتے ہیں، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ رازق تو خدا ہے۔ چہارم کے پلاؤ کی حقیقت ہی کیا ہے۔ وہ تو ایسا قدرت والا ہے کہ ہمارے لیے جنت سے پکا پکایا مرغ مسلم بھیج دے، لیکن۔۔۔

پہلے پیدا تو کرے ایسا کوئی ذوق سلیم

''تو بھائیو! مجھے اس کے علاوہ اور کچھ کہنا نہیں ہے خاص اس وجہ سے بھی کہ میں نہایت ہی کم سخن واقع ہوا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کا ذکر جاری رکھنے کا قائل ہوں۔۔۔ جی ہاں، قریب دس سال سے اس پر عمل کر رہا ہوں، تب ہی تو آپ لوگ میرے چہرے پر اس قدر نور دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو یوں ہی خون کی خرابی کے باعث کچھ دنوں سے میرے چہرے پر سیاہی دوڑ گئی ہے۔ اچھا السلام علیکم۔''

''اب مولانا ڈھونگل چٹنوی تشریف لائیں۔''

مولانا ڈھونگل کا شرعی پائجامہ ضرورت سے اتنا زیادہ اونچا تھا کہ اگر چار انگل اور اوپر کی جانب کھینچ لیا جاتا، تو پھر یقین کے ساتھ اسے ہاف پینٹ کہہ سکتے تھے۔ توند کی گولائی کی وجہ سے ان کا آگا پیچھا بہ مشکل سمجھ میں آ سکا۔ رنگ ایسا سیاہ اور چمک دار جیسے چترنجن کے کارخانے کا بنا ہوا انجن۔ مولانا نے آتے ہی گلاف صاف کیا اور پھر لگے الاپنے،

میرے مولا بلا لو مدینے مجھے
غم ہجر دے گا نہ جینے مجھے

''جی ہاں، یہ کارروائی اپنی طبیعت موزوں کرنے کیلئے تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ میں بھی اس کانفرنس میں کچھ کہوں۔ اچھا صاحب، جب مجھے تقریر کے لئے کھڑا ہی کیا گیا ہے تو۔۔۔''

اب گر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

اما بعد! آپ لوگ میرے ہاتھ میں یہ موٹا ڈنڈا دیکھ کر اسے 'عصائے پیری' سمجھ رہے ہوں گے۔ جی نہیں، یہ دراصل 'تنبیہہ الغافلین' ہے، سمجھینا۔ میں کوئی ایسا ویسا مولوی نہیں کہ کسی کی سنوں اور برداشت کر جاو؟ں۔ خواہ اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ آپ سن کر تعجب کریں گے کہ میرا لڑکا جس کا دماغ انگریزی پڑھ کر پھر گیا ہے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا'' بابا جان، آپ سڑک پر بھی نکلتے ہیں تو تسبیح ہلاتے ہوئے، یہ بری ریا کاری ہوئی۔ ایسا تو سود خوار مغلے بھی کرتے ہیں۔۔۔ اجی صاحب یہ کافرانہ باتیں سنی تھیں کہ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے آنکھ بند کر کے جو ایک ڈنڈا مارا ہے، تو پھٹ سے آواز آئی۔ میں نے سمجھا کہ کمبخت کا بھیجہ پھٹ کر واصلِ جہنم ہوا۔ لیکن توبہ کیجئے۔ آنکھ کھول کر جو دیکھا تو صاحب زادہ صاحب لاپتہ ہیں اور دراصل وہ ڈنڈا اپڑا تھا۔ استنجا کرنے کی بدھنی پر (سامنے دیکھ کر) اچھا یہاں تو استنجا کے لئے مٹی کے بدھنے اور کلوخ کے ڈھیلے کافی تعداد میں ہیں۔۔۔ تو اگر کسی کو اعتراض نہ ہو تو ذرا لپک کر استنجا سے فارغ ہو لوں۔۔۔ یا چھوڑیئے تقریر کے بعد دیکھا جائے گا۔'' تو غور فرمایا آپ نے، میرے کہنے کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک انگریزی تعلیم کا اثر ہے، اس وقت تک نئی روشنی والے ہمیں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہیا انگریز یہاں سید فع ہوئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہماری اولاد کے دل پر جو وہ اپنا اثر چھوڑ گئے ہیں اس کے زائل ہونیمیں کتنا عرصہ لگتا ہے (سسکتے ہوئے) میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رو یئے۔ خدا کی قسم رو یئے۔ یعنی میں جس محلّہ میں رہتا ہوں، وہاں کے مسلمان انگریزی دانوں کا یہ حال ہیکہ مرنے کے وقت کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلتا۔۔۔ میرے ایک انگریزی دان پڑوسی عالمِ نزع میں تھے۔ مجھے خبر ملی، تو ان کے سرہانے بیٹھ کر ازراہ ہمدردی کہا،'' کہو میاں لا الہ الاّ اللہ۔۔۔ جانتے ہیں آپ۔ مرنے والے کی زبان سے کیا نکلا، Twinkle twinkle little stars How I wonder what you are میں انگریزی تو جانتا نہیں۔ تاہم ایک انگریزی داں سے لکھوا کر یاد کر لیا ہے جو اس وقت عرض کر سکا۔۔۔

''واقعی صاحب اب مجھے استنجا کے لئے جانا ہی پڑے گا۔''

''اب مولانا یک چشمی تشریف لاتے ہیں۔''

(بآوازِ بلند درود شریف پڑھنے کے بعد) بھائیو! ہم مقدس ہستیوں کا اجتماع جس مقصد کیلئے ہوا ہے اس سے ہم بھٹکے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ ابھی مولانا ڈھونگل کی تقریر سے صاف ظاہر ہے۔ میں کہتا ہوں کسی کا عمل کیسا ہی ہو ہمیں اس سے مطلب، یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ ہم کیا صورت اختیار کریں کہ ہماری موجودہ پریشانیوں کا خاتمہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک نہایت ہی معقول تجویز میرے ذہن میں ہے۔ یعنی کیوں نہیں ہم سارے مولوی بھائی زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی روشن خیالی کا ثبوت دیں اور یہ دقیانوسی لفظ مولوی کا دم چھلا اپنے نام کے ساتھ لگانے کی عادت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں اور دوسروں پر بھی دباو؟ ڈالیں کہ وہ بھی ہمیں مولوی کے بجائے مسٹر فلاں کہہ کر پکاریں۔۔۔'' (آواز۔۔۔ بیٹھ جایئے، بیٹھ جایئے، آپ کی اس واحد آنکھ کی بھی خیر نہیں۔ لعنت ہے آپ پر۔ مولوی ہو کر ایسی واہیات تجویز پیش کر رہے ہیں۔ ہم لوگ مسٹر کیوں ہونے لگے بھلا۔ مسٹر ہونگے آپ کے باپ دادا۔ ہم لوگ مولوی ہیں، مولوی کہلاتے ہیں اور مرتے دم تک انشاءاللہ مولوی رہیں گے۔ چاہے اس کے لئے جو ہو جائے) مولانا یک چشمی کھسیا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہتی ہے۔ پھر حضرت ریش حنائی کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں،'' بھائیو۔ مولانا یک چشمی کی جاہلانہ تقریر سن کر ان کیخلاف سخت نفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا میری دست بستہ گزارش ہے کہ کوئی صاحب اس قسم کے اٹکل پچو تجویز پیش نہ کریں (گھڑی دیکھ کر) ایک بات اور عرض کر دوں۔ یعنی اس وقت دس بجنے میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔۔۔ لیکن نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کلوخ کے جتنے ڈھیلے جمع کئے گئے تھے وہ سب کے سب ختم ہو چکے ہیں۔ اتنی رات گئے کوئی انتظام بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا دریافت طلب ہوں کہ ایسی حالت مین معزز ڈیلیگیٹس کی کیا رائے ہے۔'' یہ سن کر سارے حضرات کھسیا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک مولانا سبھوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہتے ہیں،'' ہم لوگ مولانا ریش حنائی کے نہایت ہی مشکور ہیں جن کی بروقت اطلاع سے ہم مولوی بھائی ہوشیار ہو گئے۔ کیونکہ جب کلوخ کے ڈھیلے ہی نہ رہے، تو ہم مقدس ہستیوں کا ایک منٹ ٹھہرنا دشوار ہے۔ اس لئے کانفرنس کی کاروائی دوسرے روز پر اٹھا رکھنی ہی مناسب ہے۔۔۔'' اور چلتے چلاتے مولانا سے درخواست کروں گا کہ ایک مرتبہ پھر وہی نظم سنانے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

جس کی ٹیپ کا بند ہے،'' سرکار دو عالم آ جاؤ''

☆☆☆

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL 07792998973

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

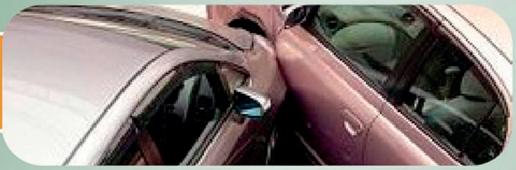

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

TAKE AWAY - DELIVERY
OPEN 7 DAYS A WEEK
TILL LATE
ZheGerman
DONER & SHAKE
DONER KEBAB
£5.99
WITH FRIES & DRINK
£7.99
Seriously German Kebabs...
Follow us ZheGermanUK
Free Delivery Call us
TEL: 020 3638 4216
Delivery Prices are Different
Website Order 10% OFF
www.zhegerman.com
BRANCH 1 : 21 Morden court Parade, Morden SM4 5HJ
BRANCH 2 : Broadway Market, Tooting High Street London Sw17 0RJ
حلال
100% HALAL
FOR DELIVERY, ORDER VIA OUR DELIVERY PARTNERS
UBER eats
JUST EAT
deliveroo